بسلسلۂ صد سالہ یادگارِ مرزا دبیر

# نادراتِ مرزا دبیر

مرزا سلامت علی دبیر کے غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ

★

مرتبہ

ڈاکٹر سید صفدر حسین

طبع اول          ایک ہزار
طبع،

طبع اوّل ______

سال طبع ______ ۱۹۷۷ء

مطبع ______ سودآفسٹ پریس دہلی

قیمت ______ دس روپے

ناشر

چمن بکڈپو

اردو بازار، دہلی ۶

# ترتیب

# اِنتساب

ساداتِ باہرہ کے ان بزرگوں کی ارواح کے نام جنہوں نے مرزا دبیرؔ کی روایاتِ سخن کی ترویج و تبلیغ میں نمایاں حصّہ لیا تھا:

۱:- سیّد حسن رضا حسنؔ مرحوم مصنّفِ "محفلِ اعجاز"۔

۲:- سیّد محمود حسن عقیلؔ مرحوم مصنّفِ "افرادِ غم"۔

۳:- سیّد منظفر علی خاں کوثرؔ مرحوم رئیسِ جانسٹھ۔

۴:- سیّد ایوب علی مرحوم ساکن قصبہ کوال۔

۵:- سیّد امیر حسین مرحوم مصاحبِ دربارِ رامپور

ڈاکٹر سیّد صفدر حسین

# آئینۂ احوال

مرزا سلامت علی نام اور دبیرؔ تخلص تھا۔ مرزا غلام حسین دہلوی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ر جمادی الاول ۱۲۱۸ھ (مطابق ۲۹ر اگست ۱۸۰۳ء) کو دلی کے محلّے بلّی ماران متصل لال ڈگی، میں پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً سات سال کا سن ہوگا جب اپنے والد کے ہمراہ دلّی سے لکھنؤ منتقل ہوگئے تھے۔ تمام تر تعلیم و تربیت چونکہ لکھنؤ ہی میں پائی تھی اس لئے صحیح معنوں میں دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شاعر سمجھے جاتے ہیں۔

آپ کے حلقۂ تلامذہ سے بار بار اس بات کا اعادہ ہوتا رہا ہے کہ آپ کے مورثِ اعلیٰ مُلّا ہاشم شیرازی تھے جو ایران کے معروف شاعر مُلّا اہلی شیرازی مصنّف مثنوی "سحرِ حلال" کے حقیقی بھائی تھے، اور مرزا صاحب کے پردادا مُلّا رفیع بادشاہِ دہلی کے میر منشی تھے۔

دبستانِ مرزا دبیرؔ کے حامیوں نے "تذکرہ سراپا سخن" کے مؤلف کی اس رائے سے بھی شدید اختلاف ظاہر کیا تھا کہ مرزا دبیرؔ کے والد مرزا غلام حسین لکھنؤ میں کاغذ فروشی کا کام کرتے تھے۔ اس کے برخلاف اُن لوگوں کا دعوی تھا کہ مرزا صاحب کے والد لکھنؤ میں گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ بہرحال ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی بحث و تمحیص غیر ضروری تھی۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے تھا کہ مرزا صاحب کا مبلغِ علم کیا تھا اور اُنھوں

ادب و شعر کی کس حد تک خدمت کی تھی۔

مرزا صاحب نے فارسی، عربی، صرف و نحو اور ادب و حکمت کی مروجہ کتا
مولوی غلام ضامن سے پڑھی تھیں۔ بعد ازاں ملّا مہدی مازندرانی سے فقہ کی تع
حاصل کی تھی اور آخر میں مولوی کاظم اور مولوی فدا علی سے حدیث اور اصولِ حد
کی تحصیل کی تھی۔ مجموعی طور پر وہ ایک عالم کہلانے کے مستحق تھے یعنی تمام علومِ عقل
نقلی پر اُنھیں قدرت حاصل تھی۔

کردار کے لحاظ سے بھی وہ ایک فرشتہ خصلت آدمی سمجھے گئے تھے۔ طبیع
میں انکسار حد درجہ تھا۔ واجبات عبادات کے پابند تھے۔ مزاج میں جود و سخا اور ا
کا جذبہ نمایاں تھا۔ خوش مزاج اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ نہ کبھی کسی سے ترش کلا
کی اور نہ کسی شخص کی غیبت کے کبھی روادار ہوئے۔

طالب علمی کے زمانے ہی میں جب اُن کی عمر بارہ یا چودہ سال ہو گی یعنی ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء
تا ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں اُنھوں نے بعہدِ غازی الدین حیدر، شاعری کا آغاز کیا تھا۔
میر مظفر حسین کے شاگرد ہوئے تھے اور اُن کا تخلص دبیر بھی اُستاد ہی کا تجویز کر
تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب لکھنؤ میں اُردو مرثیہ مرزا سودا، میر تقی میر، میر حس
جعفر علی حسرت، قلندر بخش جرأت، حیدر بخش حیدری اور شیر علی افسوس وغیرہ
کی طبع آزمائیوں سے گزر کر خلیفہ محمد علی سکندر کے ہاتھوں مسدس کی صورت میں سا
بندوں تک پہنچ چکا تھا اور اس میں مذہبی نوعیت کی روایات نظم کرنے کا رواج ہو چ
تھا۔ چنانچہ اسی اندازِ سخن کو سکندر کے بعد مرزا گدا علی گدا، مرزا پناہ علی بیگ افسرد
اور احسان وغیرہ نے قبولِ عام کی سند دلا دی تھی۔ ان شعرا کے بعد مرزا جعفر علی فصیح
نے بعہدِ غازی الدین حیدر، غالباً ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء کے قریبی زمانے میں صنفِ مرثیہ کو رزم ا

صف آرائی کے مضامین سے روشناس کرا دیا تھا، دلگیر نے اپنی کثرتِ فکرِ سخن سے دلدوز خیالات کا ایک وافر سرمایہ جمع کر دیا تھا اور میر خلیق نے صحتِ زبان و بیان پر توجہ دے کر مرثیہ میں کوثر و سلسبیل کی موجوں جیسی روانی پیدا کر دی تھی۔ پھر کچھ زمانے بعد یعنی ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء میں میر ضمیر نے مرثیے میں ہیرو کا سراپا داخل کر کے اس کی ہیئت کو تکمیل کے نقطۂ عروج تک پہنچا دیا تھا۔ غرض ایسے وقت میں جبکہ مرزا دبیر کا سن تیس سال کے قریب تھا اور وہ اپنے استاد کی نگرانی میں تقریباً سولہ سال مشقِ سخن کر چکے تھے، ان کا ذاتی کام شروع ہوا۔ مدعا یہ کہ میر ضمیر اور ان کے معاصرین نے عہدِ نصیر الدین حیدر تک مرثیہ کو جس منزل پر پہنچا دیا تھا وہاں سے مرزا دبیر نے اسے اٹھایا اور اپنی فطری صلاحیتوں اور خداداد شعری قوتوں سے مضامینِ تازہ و متنوع کے انبار لگا دیئے۔

جب مرزا دبیر اپنے عالمِ شباب میں تھے اور ان کے استاد میر ضمیر کی عمر ساٹھ سال تجاوز کر چکی تھی تو استاد اور شاگرد کے درمیان ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ اس سانحے کو "دبستانِ دبیر" کے حامیوں نے اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس تلخی کی ذمہ داری مرزا دبیر پر نہ آنے پائے۔ لیکن غیر جانبدار لوگوں نے اس غیر نفسیاتی نقطۂ نظر کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ بہر حال سعادت خاں ناصر نے اپنے "تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا" میں کسی معتبر بزرگ کی زبانی جو حقائق بیان کیے ہیں ان میں کسی رو رعایت کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ مناسب رہے گا اگر ہم اس روایت کو بھی مرزا دبیر کے ترجمے کے سیاق و سباق میں بیان کر دیں۔ ناصر لکھتے ہیں:

"عطارد نظیر میاں دبیر، جودت اس کی طبع کی تقریر سے باہر اور تحریر سے زیادہ، طبیعت اس کی مضمون کے پیدا کرنے پر آمادہ۔ مرثیہ گوئی میں گوئے سبقت ہمگناں سے

لے گیا اور زمینِ سلام کو اُس کی فکرِ بلند نے آسمان کیا ہے۔ ہر مرثیہ لاجواب، ہر بند اُس کا انتخاب۔ جو شہرت اُس نے پیدا کی ہے، بیان اُس کا نہایت دشوار۔ ایک کیا ہزار زبان سے اُس کا اظہار۔ وہ خوش تقریر طرۂ دستارِ ضمیر ہے۔ اُستاد اور اس میں جو بے لطفی ہے ایک بزرگ کی زبان سے مختصر اُسے بیان کرتا ہوں۔ میاں دبیرؔ نے یہ مرثیہ کہا ع

ذرہ ہے آفتاب درِ بوترابؑ کا

اصلاح کے واسطے اُسے اُستاد کی خدمت میں لے گئے۔ کہیں کہیں کچھ بنایا اور بہت پسند فرمایا۔ پھر اُس سے کہا کہ یہ مرثیہ ہمیں دو کہ اِس مہینے ہم نے اس احوال کا مرثیہ نہیں کہا ہے۔ اگر موقع ہوگا تو راجہ میوہ رام کی مجلس میں دو چار بند اس کے ہم پڑھیں گے۔ اُس نے کہا بہتر ہے، میں اِسے نقل کروا کے بھیج دوں گا۔ دبیرؔ نے اس مرثیہ کی دو نقل لیں۔ ایک اپنے پاس رکھی اور ایک بھیج دی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ میر ضمیرؔ نے اُسے منع کیا تھا کہ اس مرثیہ کو راجہ کی مجلس میں نہ پڑھنا۔ قصّہ کوتاہ جب مجلس کا دن آیا، میر صاحب مع دبیرؔ تشریف فرما ہوئے۔ مجلس کے گداز کرنے کو دبیرؔ سے کہا، منبر پہ جاؤ اور کچھ پڑھو مگر وہ مرثیہ نہ پڑھنا۔ اُس حق ناشناس نے سامعین کو ہمہ تن اشک دیکھ کر وہی مرثیہ شروع کیا۔ میر صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اسے کہہ دو یہ کیا حرکت ہے، بہ خیر اگر اس مرثیہ کو پڑھتا ہے تو علی الترتیب نہ پڑھے۔ وہ بھی نہ مانا۔ تمام و کمال مرثیہ پڑھا۔ ایسی رقت ہوئی کہ کسی کے ہوش بجا نہ رہے اور خاتمہ مجلس کا اُسی پہ ہوا۔ میر ضمیرؔ نے راجہ کے کہنے سے دو چار بند کسی مرثیہ کے پڑھے اور نہایت بے مزہ ہو کر منبر سے اُترے۔ پڑھنا میوہ رام کی مجلس میں اور ملاقات دبیرؔ کو برابر ترک کیا۔۔۔۔ واللہ اعلم بالصواب!"

اس حادثے کا صحیح سال ہمیں معلوم نہیں ہو سکا لیکن گمانِ غالب ہے کہ یہ واقعہ عہدِ محمد علی شاہ (۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء) کا ہوگا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اُس وقت

تک مرزا دبیرؔ مرثیہ نگار شعرا کے حلقے میں بحیثیت ایک پختہ فن کار کے اپنا مقام پیدا
کر چکے تھے جس کا ثبوت "فسانۂ عجائب" کے دیباچے کے مندرجہ ذیل فقرات سے بھی مل
جاتا ہے جو عہدِ نصیر الدین حیدر کے آغاز میں ۱۸۳۰ء کے قریب لکھے گئے تھے۔ ان
فقرات میں اگرچہ ستائش کا روئے سخن محض دلگیرؔ کی طرف ہے لیکن رعایتِ لفظی کے طور
پر اُردو کے معروف مرثیہ نگار شعرا کے نام بھی یہاں گنوا دیئے گئے ہیں۔ رجب علی بیگ سرورؔ
لکھتے ہیں:۔

"مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیرؔ، صاف باطن نیک ضمیرؔ، خلیقؔ، فصیحؔ، مردِ مسکینؔ
بصورتِ گدا، بطالعِ سکندر، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا، ناظمِ خوب، دبیرؔ
مرغوب، بارِ احسان اہلِ دوَل کا نہ اُٹھایا۔"

مختصر یہ کہ مرزا دبیرؔ کا جوہرِ سخن عہدِ نصیر الدین حیدر (۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۷ء) کے آغاز
ہی سے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا تھا۔ پھر جیسے جیسے اُن کے اُستاد یعنی میر ضمیرؔ
اپنی کبر سنی کی وجہ سے گوشہ گیر ہوتے گئے ویسے ہی ویسے مرزا دبیرؔ بطورِ اُستادِ فن سامنے
آتے گئے۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ میر انیسؔ جو مرزا دبیرؔ سے عمر میں دو
سال بڑے تھے وہ بھی اس زمانے میں خاموش نہیں بیٹھے رہے یعنی اُنھوں نے بھی فیض آباد
میں رہ کر اپنے ذاتی انداز سے مرثیے کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ وہ الگ بات ہے کہ لکھنؤ
کے سامعین اور صاحبانِ ذوق کی نگاہ تک اُن کا کلام اور فن کچھ دیر سے پہنچا۔ بہر حال
دونوں رستمانِ سخن کا امجد علی شاہ کے عہد (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء) کے آغاز میں ایک
دوسرے کے مقابل آنے کا موقع مل سکا اور اس کی وجہ بھی یہ ہوئی کہ میر انیسؔ کو جو اب
تک فیض آباد میں اپنے وسیلۂ معاش سے مطمئن تھے اتفاقاً ایک ذہنی اُلجھن سے دوچار ہونا

پڑا ۔ ہوا یوں کہ ایک صاحب جن کا نام غلام عباس تھا اور جو فیض آباد کے اُمرا میں اپنا اثر ورسوخ رکھتے تھے، اُنھوں نے کسی بات پر میر انیس سے خفا ہوکر فیض آباد کے ایک امیرزادے یعنی نادر مرزا کے یہاں مرزا دبیر کو چند مجالس پڑھنے کے لئے طلب کرادیا۔ مرزا صاحب کی نئی شخصیت تھی اور فیض آباد کے لئے نیا اندازِ کلام تھا۔ اس لئے وہ اُس ماحول میں خلافِ توقع بہت مقبول ہو گئے ۔ اس صورتِ حال نے میر انیس کو نفسیاتی طور پر یہ بات سجھائی کہ اب اُنھیں بھی فیض آباد پر اکتفا کرنے کے بجائے اپنے لئے نیا میدان تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اُنھوں نے لکھنؤ پہنچ کر چند مجالس پڑھیں اور اُن میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ سال بھر کے اندر ہی اندر اُنھیں فیض آباد سے ترکِ سکونت کر کے لکھنؤ کو اپنا مستقر بنا لینا پڑا ۔ اس زمانے میں تمام اُمرا، علما اور اساتذۂ فن نے میر انیس کو سُنا اور اُن کے کمال کے معترف ہو گئے ۔ گویا ۱۸۴۲ء سے ۱۸۷۴ء تک تقریباً ۳۲ سال مرزا دبیر کو میر انیس کی صورت میں اپنے ایک طاقتور حریف کا سامنا کرنا پڑا ۔ لامحالہ دونوں حریفوں نے اپنے اپنے فن میں سخت محنت اور عرق ریزی کر کے مرثیے کی صنف میں لازوال سرمائے کے اضافہ کیا۔

مرزا دبیر نے میر انیس کی وفات کے تین ماہ اور ایک دن بعد یعنی ۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ (مطابق ۶ مارچ ۱۸۷۵ء) کو انتقال کیا۔ اُن کی مدتِ سخن گوئی کم وبیش ۶۰ سال رہی۔ اس زمانے میں اُنھوں نے چار سو سے زائد مرثیے، تین سو سے زائد سلام، ساٹھ سے زائد خمسے اور بے شمار رباعیات، قطعات، مناجات اور نوحہ جات وغیرہ تصنیف کئے۔ اس مذہبی شاعری کے علاوہ اُن کی غزلیات کے تین دیوان بھی ماضی میں موجود تھے جو اب ناپید ہیں۔

سادات بارہہ کے ایک مشہور صاحبِ علم بزرگ سید عبد الحسین نے جب لکھنؤ میں

اقامت اختیار کرکے مذہبی کتب بالخصوص عزائیہ اور مدحیہ کلام کی طباعت و اشاعت کا کام شروع کیا تھا تو انھوں نے مرزا دبیر کا کلام بھی "دفترِ ماتم" کے نام سے بیس جلدوں میں ترتیب دے دیا تھا۔ ان میں سے پہلی چودہ۱۴ جلدوں میں ۳۹۶ مراثی موجود تھے جن میں سے تین چار مراثی کے متعلق یہ گمان تھا کہ شاید وہ مرزا صاحب کی تصنیف سے نہیں ہیں۔ بہرحال اس کمی کو "سبع مثانی" کے چودہ۱۴ مراثی کے اضافے نے نہ صرف پورا کردیا بلکہ مرزا صاحب کے مطبوعہ مراثی کی تعداد بھی ۴۰۵ کے قریب پہنچادی۔ اب بھی مرزا صاحب کے کئی درجن مرثیے غیر مطبوعہ ہوں گے جن میں سے ہم فی الحال پانچ مراثی اور چند رباعیات و سلام "نادراتِ مرزا دبیر" کی صورت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کررہے ہیں۔

"دفترِ ماتم" کی جن چودہ۱۴ جلدوں کا تذکرہ ہم اوپر کرچکے ہیں، اس سلسلے کی پندرھویں جلد ایک مثنوی "احسن القصص" پر مشتمل تھی جس میں چار ہزار سے زائد اشعار تھے۔ اس مثنوی میں چہاردہ معصومین کے حالاتِ ولادت، فضائل اور معجزات بیان ہوئے ہیں اور اسی ضمن میں معراج نامہ بھی آگیا ہے۔ باقی سولھویں، سترھویں اور اٹھارہویں جلدیں سلاموں سے متعلق ہیں لیکن ان میں بھی بعض سلام مرزا صاحب کے شاگردوں کے شامل ہوگئے ہیں۔ اُنیسویں جلد میں تریسٹھ خمسے ہیں جو مختلف سلاموں پر تضمین کے طور پر تصنیف ہوئے تھے، انھیں میں ہفت بند کاشی کے اشعار پر بھی خمسہ موجود ہے۔ آخری جلد جو سلسلے کے لحاظ سے بیسویں ہے رباعیات، قطعات اور نوحہ جات وغیرہ پر مشتمل ہے۔

اس وسیع ذخیرۂ کلام کے علاوہ ایک مختصر کتاب حدیث کی "ابواب المصائب" کے نام سے بھی مرزا صاحب کی تصنیف سے ہے جو ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۶۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اس میں سورۂ یوسف کی تفسیر بیان کرکے جابجا مصائبِ اہلبیت سے ربط دے دیا ہے تاکہ مجالسِ عزا میں مآل کار کے پہلو نکل سکیں۔

اس تفصیل سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اِس عظیم شاعر نے اُردو شاعری کو سب سے زیادہ عزائیہ سرمایہ مہیا کیا تھا اور ہر پہلو سے تبلیغِ واقعاتِ اہلبیتؑ کا حق ادا کر دیا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں مرزا صاحب کا کلام ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا اور اس نے تقریباً ایک صدی تک ہر مقام پر سوز خوانی، نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی کی ضروریات کو بدرجۂ اتم پورا کیا۔ وہ یقیناً ایک زندۂ جاوید شاعر ہیں جنہیں آج بھی اُسی ادب و احترام کے ساتھ یاد کیا جانا چاہیے جس طرح ایک عظیم کلاسکی اُستادِ فن کو یاد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اس صد سالہ یادگار کے موقع پر اُن کے ایصالِ ثواب کے لئے اُن کے یہ پانچ غیر مطبوعہ مراثی اور کچھ دوسرا کلام پیش کر دیا ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی تھی کہ ہم ایک اشاریے کے طور پر اُن واقعات و خصوصیات کا بھی ایک خلاصہ پیش کر دیں جنہیں مرزا صاحب کے بعض مبصرین نے وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل سطور میں چند نکات اسی مقصد سے درج کئے جا رہے ہیں:۔

۱۔ مرزا دبیرؔ کا پہلا مقبول مرثیہ حسبِ ذیل مطلع سے تھا ؎

بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لئے روتی ہے ایک وہ جاگتی ہے خلقِ خدا سوتی ہے

۲۔ مرزا صاحب نے ابتدائے شعر گوئی میں جو مرثیہ امام باڑہ "شاہ نجف" میں بادشاہ غازی الدین حیدر کے سامنے پڑھا تھا اُس کا مطلع یہ تھا ؏

داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے

۳۔ مرزا دبیرؔ ہر مہینے میں کم از کم ایک مرثیہ ضرور کہتے تھے اور بعض بعض مہینوں میں دو دو تین تین مرثیے بھی ہو جاتے تھے۔

۴۔ میر ضمیرؔ نے چار مخصوص بحروں یعنی رمل، ہزج، مضارع اور مجتث میں مراثی تصنیف

کئے تھے لیکن مرزا دبیر نے ان کے علاوہ بعض دوسری بحروں میں بھی طبع آزمائی کی۔

۵۔ واجد علی شاہ مرحوم اپنے بچپن ہی سے کلامِ دبیر کے عاشق تھے، چنانچہ فرما گئے ہیں ؎

بچپن سے ان کے دامِ سخن میں اسیر ہوں
میں کمسنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

۶۔ مرزا صاحب نے چہاردہ (۱۴) معصومین کی شان میں چودہ (۱۴) مراثی تصنیف کئے تھے۔ ان میں سے ایک ایک مرثیہ "دفترِ ماتم" کی ابتدائی چودہ (۱۴) جلدوں کے آغاز میں درج ہے۔

۷۔ مرزا صاحب غدر ۱۸۵۷ء سے قبل لکھنؤ سے باہر مرثیہ پڑھنے نہیں گئے۔ فیض آباد اس سے مستثنیٰ ہے۔

۸۔ وہ پہلی بار ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں پٹنہ (عظیم آباد) گئے تھے اور پھر ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء تک مسلسل سولہ (۱۶) سال امام باندی صاحبہ کے عزاخانے میں محرم کی مجالس پڑھنے کے لئے جاتے رہے۔

۹۔ مرزا دبیر کی وفات پر اُن کے صاحبزادے مرزا محمد جعفر اوج نے حسبِ ذیل شعر سے تاریخِ وفات کے اعداد برآمد کئے تھے ؎

مصرعِ تاریخِ فوتش منشیِ گردوں نوشت
آسماں بے مہر و بے ماہ، فصاحت بے دبیر

افضل حسین ثابت شاگردِ مرزا اوج نے قطعۂ تاریخ میں یہ شعر کہا تھا ؎

آسماں بے ماہِ تاباں، سدرہ بے روح الامیں
طور بے موسیٰؑ، ادب بے شمع، منبر بے دبیر

"حیاتِ دبیر" کے بابِ نہم میں جن ایجاداتِ مرزا دبیر کا تذکرہ کیا گیا ہے اُن کے عنوانات یہ ہیں:-

۱۔ مرثیہ میں حمد و نعت کہیں۔

۲۔ چہاردہ معصومین کے حال میں مرثیے کہے۔

۳۔ مرثیہ میں حالِ ولادت بیان کیا۔
۴۔ حالِ شادی بھی حسبِ ضرورت نظم کیا۔
۵۔ مرثیہ میں مناظرہ بھی نظم فرمایا۔
۶۔ مرثیہ کو بطورِ حالاتِ تاریخی بھی استعمال کیا۔
۷۔ قیدخانے میں جنابِ سکینہؑ کو بہلانے کے لئے جنابِ زینبؑ کی زبانی کہانی بیان کی۔
۸۔ روایاتِ کثیرہ بیان فرمائیں۔
۹۔ پانی اور آگ کا مناظرہ نظم کیا۔
۱۰۔ منتقمِ خونِ حسینؑ یعنی مختارِ ثقفی کے حال میں مرثیے لکھے۔
۱۱۔ سراپائے حُر آپ سے پہلے کسی اور شاعر نے نظم نہیں کیا تھا۔
۱۲۔ مربّع مرثیہ بھی کہا جو مرزا سوداؔ کے مشہور مرثیے "یارو سنو تو نالق اکبر کے واسطے" کی بحر اور قافیے میں ہے۔
۱۳۔ ایک مرثیے میں جابجا کئی مطلعے نظم فرمائے تاکہ کہیں سے بھی مختصر مرثیہ شروع کیا جاسکے۔
۱۴۔ قطعہ بند سلام بھی لکھے۔

ان خصوصیات کے علاوہ مرزا دبیرؔ کے کلام سے بعض نادر تشبیہوں، استعاروں اور حسنِ تعلیل وغیرہ کے نمونے بھی منتخب کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

تقسیم سُرمہ گردِ سواری نے کر دیا ۔۔۔ شیشہ فلک کا کحل جواہر سے بھر دیا

تیغ نگہ کی طرح جدھر یہ پلٹ گئی ۔۔۔ گردن سرآگے پھینک کے پیچھے کو ہٹ گئی

---

کوچوں میں یہ ہجومِ خلائق کا حال تھا ۔۔۔ سائے کو ساتھ لے کے گزرنا محال تھا

---

گیسوئے رسا رُوئے کتابی کے قریں ہے ۔۔۔ قرآن کا حافظ پرِ جبریلِ امیں ہے

دہشت سے جواں بھاگتے تھے تیر کی مانند      تھا تیروں کو رعشہ قدم پیر کی مانند

گھبرا کے تاسف جو عدو کرتے تھے رن میں      انگشت کی جا تیغ کو رکھتے تھے دہن میں

سہما یہ ترکش اُس کا کہ سب تیر گر پڑے      کانپا یہ پھل کہ جوہر شمشیر گر پڑے

جُز نقدِ رضا کچھ مجھے منظور نہیں ہے      خادم ترا مداح ہے مزدور نہیں ہے

پانچ اُنگلیوں نے ہم نے چُنا ایک بات کو      بس پنجتن کے سامنے پھیلاؤ ہاتھ کو

نعلوں کو دبائے ہوئے کیلوں کی ضیا ہے      پامال ستاروں نے ہلالوں کو کیا ہے

ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے      ہچکی جو آئی، منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

رد کا شہِ دیں نے فرسِ جور لقا کو      ٹھہرا لیا سرتاجِ سلیمانؑ نے ہوا کو

کُل پانچ روز باغ میں گُل میہمان ہے      سبزہ گُل بہار کی رخصت کا پان ہے

کس کا یہ حق ہے معرکۂ کارزار میں      اِک پاؤں سے کھڑا ہے عَلَم انتظار میں

دامن عَلَم کا اُڑ کے چلا پیشوائی کو      ٹھنڈی ہوا نے یاد دلا یا ترائی کو

دریا جو دُور پیاس میں تھا تشنہ کی فوج سے      منہ پر طمانچے مارتا تھا دستِ موج سے

چھالا ہے آفتاب کا گردوں کے پاؤں میں      خود چھپ رہی ہے دھوپ درختوں کی چھاؤں میں

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی      انگڑائی کا لینا بھی کماں بھول گئی تھی

سوارِ دوشِ پیمبر کی آس ٹوٹ گئی عنانِ صبر تو تھامی لگام چھوٹ گئی

---

جو کوئی پوچھتا تھا کیا حضور ڈھونڈتے ہیں تو رو کے کہتے تھے آنکھوں کا نور ڈھونڈتے ہیں

---

ہر جزوِ بدن پرزے ہے ہر عضو جُدا ہے دفتر میں شہادت کے مگر چہرہ لکھا ہے

---

مرکب جو بڑھا فخرِ شجاعانِ زمن کا ڈنکا ہوا، ماتھا ستم و ظلم کا ٹھنکا

---

مختصر یہ کہ مرزا صاحب مرحوم جتنے عظیم الشان تھے اُتنے ہی عظیم شاعر بھی تھے۔ اُنھوں نے خود بھی صدہا مرثیے تصنیف کئے اور اپنے سیکڑوں شاگردوں اور مقلدوں کے ذریعے سے ملک کے کونے کونے میں اپنے مراثی، اپنا نقطۂ نظر، اپنے اندازِ فکر کے نمونے اور اپنے اسلوبِ بیان کے گلہائے بوقلموں پہنچا کر نہ صرف یہ کہ تبلیغِ واقعاتِ اہلبیت کا حق ادا کر دیا بلکہ صنفِ مرثیہ کو بھی یہاں تک مقبول و معتبر بنا دیا کہ اب وہ ادب العالیہ میں اپنے مستحق مقام پر متمکن ہے۔ فقط

ڈاکٹر سید صفدر حسین

راولپنڈی

یکم جنوری ۱۹۷۵ء

زیرِ نظر کتاب کے مراثی کے حصول میں ہمیں ڈاکٹر مظفر حسن ملک سے جو تعاون ملا ہے اُس کے لئے ہم اُن کے شکر گذار ہیں۔ صاحب موصوف نے مرزا دبیر پر جو تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کیا تھا، ہماری آرزو ہے کہ وہ بھی جلد منظرِ عام پر آ جائے۔

## مرثیہ نمبر ۱

# کیوں چرخ میں گردوں کی طرح رن کی زمیں ہے

بند ۱۱۱

در حالِ حضرتِ امامِ حسین علیہ السلام

# سلام

بیتِ جنت میں ملے نظمِ سلام ایسا ہو
روئیں سب مجرئیؔ پُر درد کلام ایسا ہو

سرِ شہ نیزہ پہ تھا سارے سروں کے آگے
بعدِ مُردن بھی امامت تھی امام ایسا ہو

لاشہ ہائے شہدا دیکھ کے شہ کہتے تھے
لشکر اِک دن میں کسی کا نہ تمام ایسا ہو

ہو گیا نقشِ نگیں مُہرِ نبوت کا حسینؑ
مُہر ایسی ہو، نگیں ایسا ہو، نام ایسا ہو

بے ردا آلِ نبیؐ، پردے میں ناموسِ یزید
خاص کی قدر وہ ہو، رُتبۂ عام ایسا ہو

زینبؑ خستہ جگر تھامنے کو آئی رکاب
کیوں فلک بے کس و مظلوم امام ایسا ہو

کیوں چرخ میں گردوں کی طرح رن کی زمیں ہے
کیوں مثلِ زمیں زلزلے میں چرخِ بریں ہے
کیوں سدرہ پہ لرزاں پرِ جبریلِ امیں ہے
کیوں سہم کے جلادِ فلک گوشہ نشیں ہے

کیا معرکہ میں خسروِ ذیشاں کی ہے آمد
شمشیرِ ہنر بر شہِ مرداں کی ہے آمد

دِل مردہ ہیں اور خشتِ لحد سینۂ کفار
مانندِ لبِ گور ہیں ساکت لبِ گفتار
پوشاک سے ظاہر میں سفیدی ہے نمودار
باطن ہے سیہ سب کا مثالِ لحدِ تار

روحوں پہ عذابِ عملِ بد کا قلق ہے
رن شہرِ خموشاں کے مرقع کا ورق ہے

بے جنگ لڑائی ہے ہر اک روح و بدن میں
چھپ بیٹھی ہے اس دم اجل اک قبرِ کفن میں
شمشیرِ دو سر ہے کمرِ شاہِ زمن میں
سر بھاگتے ہیں رن سے قدم چھوڑ کے رن میں

سر پاؤں بدن کا نہیں دھڑکے یہ نئے ہیں
ہیبت سے قدم چلنے میں سر بھول گئے ہیں

خورشید ہے دن کو مہِ نو شرم سے گھٹ کر
اغلب ہے کہ سیدھا فلکِ کج ہو الٹ کر
پانی ہوئی جاتی ہے گھٹا ڈھالوں کی پھٹ کر
اک سونے کا تاگا بن گئی ہے دھوپ سمٹ کر

ثابت ہے کہ سیارہ ہر اک ماند ہوا ہے
سیارے ہیں کیا شہر بدر چاند ہوا ہے

کس شور سے دریائے کرامت کی ہے آمد
کس حسن سے خورشیدِ امامت کی ہے آمد
محشر کی ہے آمد کہ قیامت کی ہے آمد
کیا دلبرِ خاتونِ قیامت کی ہے آمد
غل ہے کہ شہنشاہِ اُولُوالعزم یہی ہے
جاں بخش، جہاں بخش دمِ رزم یہی ہے

جو پیش تھے لشکر میں وہ اب زیر و زبر ہیں
اب ذہن میں نے ظلم کے پیشے نہ ہنر ہیں
تنہا ہے ہر اک تن کہ نہ دل ہیں نہ جگر ہیں
سر ڈھونڈ رہا ہے کہ مرے ہوش کدھر ہیں
نے جوق ہے نے بوق نہ دستہ نہ تمن ہے
معمور فقط ہیبتِ شبیر سے رَن ہے

چلاتے ہیں مردم لئے جاروب پلک کی
ہاں جھاڑو جلوگاہ شہِ ارض و فلک کی
تسلیم کو خلق آئی ہے فردوس تلک کی
ہیں فرش سرِ راہ صفیں حور و ملک کی
آقائے اُمم عرشِ معلےٰ کا شرف ہے
یہ فرش بآداب اِک آقا کا شرف ہے

ابر و فلک و آبِ حیات و شجرِ طور
جلتے ہیں تر و خشک عجب نور ہے یہ نور
گو پیرِ فلک پاسِ ادب سے ہے بہت دُور
پر سنگِ تجلی سے ہے شیشے کی طرح چور
پیدا عرقِ شرم ہے سورج کے بدن میں
خسخانۂ مژگاں سے عدو جلتے ہیں رن میں

فردوس طوافِ گلِ رُخ سے شرف اندوز
قرآن کی حافظ یہی صورت ہے شب و روز
ہے ریش کے ہالے میں عیاں روئے دل افروز
آغوشِ شبِ قدر میں ہے یوسفِ نوروز
کہنے کو یہ چہرہ ہے، یہ صورت ہے لقا ہے
پر فاطمہؑ کی آنکھ سے پوچھو کہ یہ کیا ہے

آفاق میں ہے شورِ شکر پارۂ لب کا　　منہ پھیر دیا ہے شکر و قند سے سب کا
اس لب سے مزا پایا پیمبرؐ نے رطب کا　　بے شک یہ رطب ہے شجرِ قدرتِ رب کا
ہر غم سے محبّوں کے لئے بدمزگی ہے
مرنے پہ چھڑی بید کی اس لب پہ لگی ہے

اور دانتوں کی سرخی کا سبب کیا کوئی جانے　　اُگلا ہے لہو منہ سے شہِ ارض و سمانے
دانتوں کی ثنا کی یہ مری طبعِ رسانے　　دُنیا ہے انار اس میں ہیں جنت کے یہ دانے
موتی قسم ان دانتوں کی کھاتے ہیں صدف میں
لعل ایسے بدخشاں میں نہ دُر ایسے نجف میں

اللہ رے آتش دمیِ توسنِ چالاک　　ہر ایک قدم اٹھتی ہے بجلی عوضِ خاک
بنتی ہے کبھی گردِ سمند اور کبھی فتراک　　صیاد ہے مقتل کی زمیں صید ہیں افلاک
بہتا ہے عرق شرم کا صرصر کے بدن سے
فوارے بگولوں کے عوض اُٹھتے ہیں رن سے

ناگاہ بڑھا رن کو سمندِ شہِ والا　　منہ گرد کے برقع سے تجلّی نے نکالا
کاوے ہیں ہوا جلوۂ رفتار دوبالا　　سرعت نے کہا سلمک اللہ تعالےٰ
اک حسن کا آوازہ دمِ تیز پری تھا
کاوہ وہ نہ تھا حلقۂ پازیب پری تھا

سرگرمِ رجز خوانیِ آخر ہوئے سرور　　روکا فرسِ تُند کو پیشِ صفِ لشکر
پیاسے نے زباں پھیر کے ہونٹوں کو کیا تر　　بے آب تڑپنے لگی مچھلی لبِ کوثر
چمکے سخن ایسے لبِ پُرنور کی ضو سے
روشن تھا کہ پیدا ہوئے تارے مہِ نو سے

حلقوم پہ ہاتھ اپنا دھرا شاہِ ہُدا نے  فرمایا یہ گمراہوں سے اُس ماہ نما نے
پہچانو مجھے آنکھ تمھیں دی ہے خدا نے  ممتاز کیا ہے یہ گلا ربِّ علا نے
خنجر جو پئے ذبح یہاں تیز کئے ہیں
اِس حلق کے بوسے نہیں احمدؐ نے لئے ہیں؟

دُنیا یہ پسند آئی کہ ایمان کو بھُولے  کیوں بہرِ عدُو دین کے سلطان کو بھُولے
حاکم کے غلط وعدے پہ قرآن کو بھُولے  شیطان کے پَیرو ہوئے رحمان کو بھُولے
سردار تمہارا اُسے فاسق نے کیا ہے
حاکم مجھے کونین کا خالق نے کیا ہے

نانا سے پیمبرؐ کے ہے افضل مرا نانا  سو کون وہ ہے ختمِ رسل شافعِ عقبیٰ
بابا سے علیؑ کے مرا بابا بھی ہے اعلیٰ  وہ کون شہِ قلعہ شکن سیدِ بطحیٰ
ماں میری بضاعت ہے رسولِ عربیؐ کی
ایسی تو نہ مادر تھی رسولوں میں کسی کی

نانا کی سواری کو بُراق آیا زمیں پر  راہی وہ ہوئے عرش ہوئے نور کے زیں پر
پیدا جو ہوئے ہم تو گئے عرشِ بریں پر  بیٹھے عوضِ زیں پرِ جبریلِ امیں پر
جس شے پہ بیٹھے ہیں بخدا رتبے بڑے ہیں
ہم صاحبِ معراج کے کاندھے پہ چڑھے ہیں

سمجھو ہمیں ایجادِ دو عالم کا نتیجہ  چاہیں تو ہے کوثر و تسنیم اِسی جا
ماموں مرے قاسمؑ مری نانی ہے خدیجہؑ  شبیر جسے حق نے دیئے اُس کا ہوں بھتیجا
پیوند ہوں میں تاجِ سرِ آلِ عبا کا
دلبند ہوں میں دستِ زبردستِ خدا کا

محشر میں کوئی باپ نہ پوچھے گا پسر کو — مڑ کر کوئی فرزند نہ دیکھے گا پدر کو
ہوگی نہ اماں شر سے کسی فرد بشر کو — ہاں آئیں گے ہم اپنے محبوں کی خبر کو
یوں بھیجیں گے ہر صف سے محبوں کو جناں میں
باطل سے جدا حق کو کیا جیسے جہاں میں

دوزخ کا احاطہ رہے گا خلق پہ تا دیر — نعرہ اسد اللہ کریں گے صفتِ شیر
ہاں نار! خبردار! اسے چھوڑ اُسے گھیر — ہو دور مرے دوست سے دشمن سے نہ منہ پھیر
محکومِ علیؑ ہوئیں گے یوں شعلے سقر کے
جس طرح زباں چلتی ہے کہنے میں بشر کے

گمراہ ہیں جو جو پسرِ ختمِ رُسل سے — لرزیں گے پُلِ حشر پہ وہ حشر کے غل سے
جزو خود غلطی کچھ نہ بنے گا جزو کل سے — ہاں میرے محب گزریں گے یوں حشر کے پُل سے
اِک ہاتھ میں تو ہاتھ لئے دستِ خدا کا
اور ایک میں کونا مری اماں کی ردا کا

بعضوں کو وہاں طولِ حساب و غمِ عصیاں — ایذائے عطش، خوفِ سقر، ہیبتِ یزداں
بعضوں کے لئے بزمِ طرب نعمتِ الواں — غلماں بہ جلو، جام بکف، حور بداماں
یہ بھی نہ خبر ہوگی کہ کب حشر ہوا تھا
دم کس میں پڑا کون جیا کون موا تھا

پوچھا یہ لعینوں نے کہ وہ کون ولی ہیں؟ — آقا نے کہا خاص غلامانِ علیؑ ہیں
سادات کے خادم ہیں سعیدِ ازلی ہیں — عرفان کے اسرارِ خفی اُن پہ جلی ہیں
جو پایا دیا عاشقِ اولادِ نبیؐ کو
اور نذرِ ثواب اُس کا کیا روحِ علیؑ کو —

یہ وہ ہیں کہ سر پر رکھتے ہیں افسر نہیں رکھتے — جز دامنِ سائل یہ کہیں زر نہیں رکھتے
سونا کہاں؟ سونے کا یہ بستر نہیں رکھتے — کچھ دل میں بجز اُلفتِ حیدر نہیں رکھتے
خوش کرتے ہیں احساں سے ہر اک صاحبِ دیں کو
عُریاں کو بھوکے کو مسافر کو حزیں کو

افسوس کہ تم ہم پہ کچھ احساں نہیں کرتے — بہتے ہوئے دریا پہ بھی مہماں نہیں کرتے
کچھ خاطرِ روحِ شہِ مرداں نہیں کرتے — انساں کو بتنگ اتنا بھی انساں نہیں کرتے
پانی دو بہت پیاس سے بے چین ہوں یارو!
آخر میں نبیؐ زادۂ کونین ہوں یارو!

توریت میں لکھتا ہے خدا کلکِ قضا سے — سیلی جو لگائے رُخِ مومن پہ جفا سے
وہ ہاتھ میں نیزہ لئے لڑتا ہے خدا سے — تم نے تو گلے کاٹے ہیں سادات کے پیاسے
جس نے کہ بنایا ہے بگڑتے ہو اُسی سے
بندے ہو جس اللہ کے لڑتے ہو اُسی سے

مومن کے مزاروں نے یہ توقیر ہے پائی — چوب اُس پہ حقارت سے کسی نے جو لگائی
کہتا ہے خدا کعبہ کی تعمیر گرائی — کچھ لاشۂ قاسم سے حیا تم کو نہ آئی
کیا تم نے بھتیجے کا مرے حال کیا ہے
قبر ایک طرف لاش کو پامال کیا ہے

موسیٰ سے مخاطب ہوا یوں خالقِ جمہور — مسکینوں سے نخوت جو کرے گا کوئی مغرور
ہم ذرّے کی ہیبت سے کریں گے اُسے محشور — زیرِ قدمِ خلق وہ ہوگا صفتِ مور
جو قطع نہ مسکین کی اُمید کریں گے
گر ذرہ ہیں تو ہم انھیں خورشید کریں گے

پھر تم کو تکبّر یہ بھلا ہم سے روا ہے　　مسکین جہاں میں کوئی ہم سے بھی سوا ہے
نہ رہنے کو مسکن ہے نہ کھانے کو غذا ہے　　جو ہو سکے خدمت کرو یہ کارِ خدا ہے
اِک دم میں پھر احمدؐ کا نواسا نہ ملے گا
دریا کے کنارے کوئی پیاسا نہ ملے گا

تم بھول گئے اپنے پیمبرؐ کا یہ ارشاد　　جو فاقے میں اِک لقمے سے بھوکے کو کرے شاد
اِک سال کی طاعت سے یہ بہتر ہے رکھو یاد　　افضل ہے یہ اُس سے جو کرے بندے کو آزاد
بے جود و سخا اجر عبادت کا نہیں ہے
جنّت ہے نہ کوثر ہے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے

برباد نہ جائے گی سخاوت دمِ محشر　　واللہ سخی قبر سے نکلے گا جو باہر
جود و کرم و فیض و عطا آکے برابر　　قُبّے کی طرح سایہ فگن ہوئیں گے سر پر
مرقد سے تو لے جائے گا یہ سایۂ جناں تک
اور خلد سے پہنچائے گا ربِّ دو جہاں تک

درد! عوضِ خیر تمہیں قصد ہے شر کا　　کچھ پاس نہیں اپنے پیمبرؐ کے پسر کا
یہ دھوپ ہے اور فاقہ ہے چوبیس پہر کا　　کس پر نہیں احساں مرے فیاض پدر کا
قاتل پہ ترحم کیا تعزیر کے بدلے
شربت دیا آبِ دمِ شمشیر کے بدلے

کیا کہتا ہوں للہ سنو کان لگاؤ　　دوزخ میں نہ جاؤ ارے فردوس میں جاؤ
دریا کے لئے ہاتھ نہ کوثر سے اُٹھاؤ　　پڑھ کر کلمہ نام نبیؐ کا نہ مٹاؤ
حاصل تمہیں قطرہ بھی کسی طور نہ ہوگا
کوثر پہ ہمیں ہم ہیں کوئی اور نہ ہوگا

دو مال رہِ حق ہیں یہ سودا برضا ہے لو نقدِ عمل صاف کہ صرّاف خدا ہے
اس نقد کا سکّہ شہِ مرداں کی وِلا ہے کیا زیست کا دم بھرتے ہو اک دم میں فنا ہے
پُرزے نہ کرد مصحفِ اسلام خدا را
آرام ہمارا ہے یہ آرام ہمارا

عاجز نہ سمجھنا ہمیں ناچار نہیں ہیں کیا موت کے اور زیست کے مختار نہیں ہیں
کس شہر کے کس قوم کے سردار نہیں ہیں ہم نائبِ اللہ ہیں بیکار نہیں ہیں
جو منہ پہ چڑھا اپنے وہ خود گر گیا پہلے
ہم جس سے پھرے اُس سے خدا پھر گیا پہلے

ہم علم ہیں اور حلم ہیں کونین پہ وَر ہیں دَر ہیں کہ نبیؐ شہر ہیں ہم علم کے دَر ہیں
دَر ہیں عمل و علم کے اور دین کے گھر ہیں گھر ہیں بخدا دین کے دینداروں کے سَر ہیں
سَر ہیں دمِ تحریز[1] پہ قربانِ خدا ہیں
قربانِ خدا ہیں تو شفیعِ دوسرا ہیں

کُنجی درِ فردوس کی ہیں نام ہمارے دوزخ کے بھی مالک پہ ہیں احکام ہمارے
اور عرش کے سکّان ہیں خدّام ہمارے وہ کیا ہیں خدا کرتا ہے سب کام ہمارے
جُز خالقِ کونین ہمارا نہیں کوئی
اور ہم سے زیادہ اُسے پیارا نہیں کوئی

کوثر کی طرح خُلد میں حکم اپنا ہے جاری دربار ہی ابد تک ہیں نظر کردۂ باری
جنّت مرے احباب کی جاگیر ہے ساری ہر برگ ہے طوبیٰ کا عدو کے لئے آری
بے فائدہ تم سب کو خصومت ہے ہماری
لو بعدِ خدا سب پہ حکومت ہے ہماری

[1] متبادل لفظ تحریم

م عدل، ہم انصاف، ہم احسانِ خدا ہیں — دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی میزانِ خدا ہیں
بانِ خدا، تابعِ فرمانِ خدا ہیں — ہے قرب کی یہ وجہ کہ قربانِ خدا ہیں
وقت اپنی حکومت کا کبھی فوت نہیں ہے
سب کچھ ہے ہمارے لئے پر موت نہیں ہے

ے کی مدینے کی تو کی تم نے تباہی — پر مشرق و مغرب میں ہیں دو شہرِ الٰہی
پیدا ہوئی ہے جب سے سپیدی و سیاہی — بخشی ہے خدا نے ہمیں اُن شہروں کی شاہی
دیواریں ہیں لوہے کی عجب حسن و ضیا ہے
معمارِ ازل نے اُنھیں تعمیر کیا ہے

فتاد ہزار اُن میں ہیں دروازۂ انور — فرق ایک سے ہے ایک کا فرسخ کے برابر
بختے درِ احمر کے ہر اک در پہ ہیں ستّر — مومن فقط اُس شہر کے ساکن ہیں سراسر
ہر باب سے ہفتاد ہزار آتے ہیں ہر دن
اور اُتنے ہی ہر در سے چلے جاتے ہیں ہر دن

وکر نہ مانو مجھے کیا اس کا گلہ ہے — یہ عرشِ خدا آج کئی بار ہلا ہے
یکھو تو چمن خاک میں یہ کس کا ملا ہے — نانا کی یہ تبلیغِ رسالت کا صلا ہے
خوں میں جو مجھے دیدہ و دانستہ بھروگے
پھر پنجتنِ پاک سے کیا آنکھ کرو گے؟

ن سُن کے خوش الحانیٔ ابنِ شہِ مرداں — بے ساختہ وحشی نکل آئے سرِ میداں
رغانِ ہوا وجد میں آکر ہوئے غلطاں — داؤدؑ پکارے ترے الحان کے قرباں
اللہ نے ہاتف کی زباں سے یہ ندا کی
اے حجتِ حق! حجتِ حق تو نے ادا کی

برہم ہوا لشکر پسرِ سعد سے سارا     کھلوا کے خزانے کو وہ مکار پکارا
یہ مال تمہارا ہے میں نوکر ہوں تمہارا     ہاں بھائیو کوشش کا ہے یہ وقت خدارا
شبیر کی شہ رگ سے جو شمشیر ملے گی
تم سب کا تصدق مجھے جاگیر ملے گی

دیکھا جو زرِ سرخ تو للچائے سیہ رو     پانی تھے مگر ابر نمط چھا گئے ہر سو
دل سرد تھے پر رخش کئے گرم تگ و پو     تلواروں کے تلنے کو بنے ہاتھ ترازو
ذروں کی ہوئی خسروِ انجم پہ چڑھائی
ہر تیغ نے بھوں غصے سے مردم پہ چڑھائی

چلا اٹھے زہ کر کے کمانوں کو کماندار     جس طرح مہِ عید کے نظارے سے میخوار
سرسوں کا چمن پھول گیا ڈھالوں سے اک بار     پھل تیروں کے چمکے صفتِ برگِ ثمربار
پر تیغوں کے دم تھے سپرِ شاہ کے ڈر سے
جیسے سرِ کفار ہوا تیغ دو سر سے

اڑنے لگے طاؤس علم صورتِ شہباز     مچھلی نے پھریرے سے نکالے پرِ پرواز
چاؤشوں کا وہ شور نقیبوں کی وہ آواز     وہ بولنا کڑکیت کا بڑھ بڑھ کے بصد ناز
ہنس کر شہِ دیں نے صفِ ناپاک کو دیکھا
قبضے پہ دھرا ہاتھ اور افلاک کو دیکھا

کی عرض ستاروں کی صفوں نے کہ ہم آئیں     دن رات لئے شمس و قمر کے علم آئیں
سیارے پکارے کہ پرے رن میں جمائیں     عقرب نے کہا ہم دلِ اعدا میں سمائیں
اک نیش میں بہہ جائے جو پتھر ہو یہ لشکر
اک سانس میں پی لیں جو سمندر ہو یہ لشکر

خود عرشِ معلّٰی نے سریر اپنا دکھایا — اور سونے کا زیں سج کے فلک نقرہ کو لایا
جوزا نے کمر بند پئے نذر اُٹھایا — پر کھول کے قدسی نے نیا چتر بنایا

مولا نے کہا راز و نیاز اپنا جُدا ہے
بندہ کا بر آرندۂ حاجات خدا ہے

ناگاہ ندا آئی کہ اے میرے فدائی — ہم دیکھتے تھے لاش حبیب اکبرؑ کی اُٹھائی
یا خالقِ اکبر کہا یاد اُس کی بھلائی — اب زور بھی دکھلاؤ رحیمی تو دکھائی

چاہا نہیں یوں ہم نے رسولانِ اُمم کو
جو شان دکھاؤ گے پسند آئے گی ہم کو

سُن کر یہ ندا خالقِ ہر جن و بشر کی — تعظیم کو محراب اُٹھی تیغِ دوسر کی
قبضہ جو ہٹا میان نے سب کو یہ خبر کی — لو مہرِ زرِ سُرخ کی ہتھیلی سے وہ سر کی

ہر پھیر کے زیرِ قلب پہ پڑتا ہے گھن اُس کا
ہر وقت ہے کچھ آگے سے بڑھتا چلن اُس کا

آواز دی تیغِ خلفِ خیبر دراں نے — میں قابضِ جاں ہوں کوئی جانے کہ نہ جانے
پھل خُلد کے پھل سے مجھے بخشا ہے خدا نے — جوہر مرے کھولے ہیں شہِ قلعہ کشا نے

اک دم میں کیا فتح ہر اک جنگ و جدل کو
بدر و اُحد و خیبر و صفین و جمل کو

پیدا ہوئے کعبے میں علیؑ روئے زمیں پر — میں اُن کے لئے خلق ہوئی عرشِ بریں پر
مقراض بنی میں پرِ جبریلِ امیں پر — قسمت کا لکھا لکھتی ہوں ہر اوجِ جبیں پر

اب بھی وہی بُرش ہے وہی قہر و غضب ہے
پر اپنے خداوند کے وعدے کا ادب ہے

دِل دو دِلوں کے تیغِ دو سَر دیکھ کے دھڑکے — جیسے کوئی کمزور زبردست سے لڑکے
دلاّل اَجل بن گئی اعدا سے بگڑکے — سرداروں کے تن سے کہا گردن کو پکڑ کے
آگے بڑھو سر لے کے نہ لو راہ گھروں کی
تلوار کی سرکار میں خواہش ہے سروں کی

غُل تھا کہ دو پیکر جو یہ شمشیرِ قضا ہے — ہاں ذہن لڑاؤ تو یہ شق تیغ کی کیا ہے
بعضوں نے کہا شق سرِ حیدرؑ جو ہُوا ہے — سو آپ کو غصے سے دو نیم اس نے کیا ہے
اپنے لئے یہ کاٹ ہے مالک کی غزا میں
دشمن کو تو چھوڑے گی نہ میدانِ وغا میں

انصاف پکارا انھیں کیا خاک خبر ہے — تاویل سرِ دست نئی پیشِ نظر ہے
یہ تیغ ہلالِ فلکِ فتح و ظفر ہے — شبیرؑ کی مٹھی میں ہر اعجاز کا گھر ہے
جدّ کو ہنرِ شقِ قمر حق نے دیا ہے
دو ٹکڑے مہِ نو کو نواسے نے کیا ہے

غش ہو گئے سب رخش نے وہ ناز دکھایا — پریوں کی ادا حوروں کا انداز دکھایا
تن تن کے کبھی سینۂ شہباز دکھایا — سائے سے ہُما کا پرِ پرواز دکھایا
پُر نور تھا زیں عکسِ حسینؑ ابنِ علیؑ سے
یا تمغۂ عرشِ خدا نورِ نبیؐ سے

مخفی بھی ہے پیدا بھی ہے رہوار کا سایا — اس کُنہِ نقیضین کو مدّاح نے پایا
دنیا میں جو آتے ہی قدم اُس نے اُٹھایا — رنگت نے بہت آپ کو اعضا میں چھپایا
پر اُس کے طرارے سے گرے دُور اُچھل کر
اُس دن سے وہی سایہ ہے رنگ اپنا بدل کر

ہر تن سے ہوئی روح رواں تیغ کے آگے — بولے ملک الموت نصیب اب مرے جاگے
تلواروں سے جوہر صفتِ مورچہ بھاگے — سب رشتۂ ہستی تھے کفن سینے کے تاگے
فیضِ بدن و روح کا قصہ نظر آیا
وہ تیغ کا یہ موت کا حصہ نظر آیا

چمکی جو سوئے میمنۂ لشکرِ ملعوں — دہنے کے ہوئے بائیں، یہ سب کرتے ہیں موزوں
تازہ یہ ہے رعبِ دمِ شمشیر کا مضموں — اعضا میں پڑا فرق ہوئی شکل دگرگوں
تنہا نہ فقط غول اُدھر سے اِدھر آیا
دہنا تھا جو بازو وہی بایاں نظر آیا

سر فوج کا آیا جو تہِ تیغِ دو پیکر — ساتھ اُس کے کٹا کفر کا بھی قلب برابر
صف کے جو کٹے پاؤں تو ہوا بے پر — راحت تھی جراحت جو ہوا خم سرِ جوہر
کہتی تھی اجل میرے قدم جم نہیں سکتے
میں کیا ملک الموت بھی یاں تھم نہیں سکتے

صمصام کو الہام ہوا سر کو قلم کر — کہہ سورۂ الحمد کو کہہ صور کو دم کر
اِک وار لگا اور دو اعدا کا علم کر — ہر دم عمرِ سعد کا دم محوِ عدم کر
دو حصے کمر کر کہ الگ کاسۂ سر کر
ہر طرح مہم سہل کر اور معرکہ سر کر

خوں تیغ نے سنگیں دلوں کے تن سے نکالا — خوں تن سے تو دل سینۂ دشمن سے نکالا
دل سینے سے تن حلقۂ جوشن سے نکالا — غل پڑ گیا کہسار کو سوزن سے نکالا
قلبِ سیہ فوج میں پر تو جو عیاں تھے
ظلمات کے کوچوں میں خضرِ سبز گماں تھے

جو اس سے جلا ڈر سے نہ پانی نے بجھایا — جو سرد ہوا آگ نے اُس کو نہ جلایا
خوں اس نے پیا جس کا نہ پھر خاک نے کھایا — جو خاک ہوا اُس کو ہوا نے نہ اُڑایا
آتے ہوئے واں جان نکلتی تھی قضا کی
کیا دشت میں مٹی تھی خراب اہلِ جفا کی

گو طیش سے انگارا تھا ہر ایک رسالا — پروا وہ ری آبِ دمِ تیغ شہِ والا
یوں ناریوں کے مُنہ کی سیاہی تھی دوبالا — جس شکل بدن آگ کا پانی سے ہو کالا
غُل تھا کہ اگر ڈوب کے مرنے کی ہوس ہے
اِس آبِ دمِ تیغ کا چُلّو تمھیں بس ہے

اس قہر کی بجلی کا جو رُخ نہر نے پایا — ہیبت نے نگہبانوں کو دریا میں گرایا
پانی میں حبابوں کی طرح سر کو چھپایا — سر ایک طرف ناخنِ پا اُس نے جلایا
یہ آگ لگی مردمِ آبی کے بدن میں
دریا سے دھُواں وقتِ زوال اُٹھتا تھا رن میں

معراج ملی تیغ کو میدانِ ستم میں — مانندِ مسیحا یہ فلک پر گئی دم میں
نکہت کی طرح حوریں چھپیں باغِ ارم میں — پوشیدہ قلم لوح میں اور لوح قلم میں
عیسیٰ کو خبردار کیا سر نہ ہلانا
جبریل کو فرمان دیا پر نہ ہلانا

دامن میں پہاڑوں کے بیاباں ہوا پنہاں — اور زیرِ زمیں گنبدِ گرداں ہوا پنہاں
ہیبت سے دلِ شہر میں شیطاں ہوا پنہاں — ہر دیو تہِ تختِ سلیماں ہوا پنہاں
پریاں گریں گھبرا کے سلیمان کے اوپر
چلّائے بنی جان بنی جان کے اوپر

کھول کے راکب کے دلِ تنگ سے نکلی   بیٹھی سرِ مرکب پہ تو یہ تنگ سے نکلی

منہ لال کیے قلبِ صفِ جنگ سے نکلی   ہر بار نئے رنگ نئے ڈھنگ سے نکلی

سن سن جو چلی مثلِ ہوا اُڑ گئے توسن

ہو ہو کے الف بے کی طرح مُڑ گئے توسن

س سر پہ ہوئی گرم یہ تیغِ شرر افگن   پھر رنگ بدلنے لگا ہر چنبرِ گردن

نجیریں جلیں زُلفِ سیہ تاب کی فورن   اور آبلے کی طرح بہا مغفرِ آہن

بسمل کا ہر اک زخم دھواں دھار کنواں تھا

فوّارہ لہو کا چہِ بابل کا دھواں تھا

راہ ایسی سیہ بختیِ لشکر سے ہوئی تار   رات ایک طرف ظلمتِ دوزخ تھی نگوں سار

اس آئی نہ یہ جنگ ہوئے جینے سے بیزار   راز اس میں یہ تھا تیغ گلے کا تھی ہوئی ہار

ہے صنعتِ مقلوبِ کُل اوّل تو بجا ہے

آخر ولد الکلب ہر اک اہلِ جفا ہے

اِک نقطہ بھی گر اس قلمِ تیغ نے پایا   پھر ایک سے دس ہر الفِ قد نظر آیا

س فرد نے سب چہروں کے دفتر کو مٹایا   نقطہ شکمِ جیم جہنم کو بنایا

گو مصرعِ مہمل قدِ اربابِ ریا تھا

زخموں نے مگر مصرعِ منقوط کیا تھا

تیزیِ تبِ تیغ نے بخشی نئی خفّت   بے چین شقی، بخت لعنی، جبُن بہ طینت

بینی ختنی چیں بہ جبیں پُشت بہ جنّت   نے جی بچے، نے تن بچے، نے زین نہ زینت

نے چیں بجبیں نے ذقنِ زشت ببینی

نے نبض بجنبش نہ تنِ زشت، ببینی

تھے اہلِ کدورت سے صفائی کے یہ جوہر ششدر رہا تن، فرق کٹا صاف سراسر
اللہ ری آتشِ دمِ تیغِ ہنروَر پیکر پہ پڑا سایہ عجب، جل گیا پیکر
جب آگ بھڑکتی ہوئی شمشیر کی دیکھی
پھر جسم سے سیری دلِ بے پیر کی دیکھی

تیزی جو زمیں میں تو قیامت نظر آئی بیدم ہوا قاروں کہ مرے فرق پہ آئی
گھبرا کے کہا گاوِ زمیں نے کدھر آئی مچھلی ہوئی چو رنگ تو جانا اِدھر آئی
دل خاک کا بھی آگ ہے تیغِ شہِ دیں سے
جب کھودیئے، پانی نکل آتا ہے زمیں سے

کی پیش کشِ تیغِ دو سر فتح نے نصرت بجلی نے چمک، رعد نے غل، مہر نے طلعت
مرجان نے سُرخی دی اور الماس نے حدت تیزاب نے تیزی دلِ سیماب نے سُرعت
خاموش تھے دریا کہ یہ کیا شور مچے ہیں
مرمر کے اسی دن ملک الموت بچے ہیں

تیغ اِک طرف آقا نے لگائی جسے اُدھڑ تڑپا کہیں سر اُس کا کہیں پاؤں کہیں دھڑ
تن لوٹتے تھے سر سے جُدا ہو کے اِدھر اُدھر توسن کی بھی ٹاپوں سے صفیں گرتی تھیں تڑ تڑ
پامال کیے شش جہت اسپِ شہِ دیں نے
بوسہ لیا سُم کا نہ فلک نے نہ زمیں نے

شاباش، امیرانہ یہ رَن میں جدھر آئی ہر گردنِ سرکش لیے نذرانہ، سر آئی
مسطر کی طرح حلق پہ رگ رگ اُبھر آئی دو لاکھ کا اِک تیغ گریباں نظر آئی
یوں موت تھی تیغِ ہنر ایجاد کے پیچھے
جیسے کوئی شاگرد ہو اُستاد کے پیچھے

یہ رُعبِ دمِ تیغ سے لاغر ہوئے اعدا — یا کوہ تھے یا کاہ سے کمتر ہوئے اعدا
رخت ایک طرف آپ سے باہر ہوئے اعدا — تنتوں کے بس اِک تن کے برابر ہوئے اعدا

اِک دو کئے، دو چار کئے تیغِ دو سَر نے
ہر تنتو کو وہاں ایک کیا تیغ کے ڈر نے

اس درجہ بدن سوکھ گئے لشکرِ شر کے — رُخسارے لعینوں کے چھپے خود سے سَر کے
دستار کمر بند بنی سَر سے اُتر کے — گھٹ کر صفتِ خال بنے گرد سپر کے

جو صف گری خود صورتِ دیوار نہ اُٹھی
بے ہاتھ کے پکڑے کوئی تلوار نہ اُٹھی

ناگاہ سراپردۂ قدرت سے اُٹھا غُل — ہاں مُرسلو! ہاں قُدسیو! ہے جائے تحمّل
دیکھا مرے عاشق کی شجاعت کا تجمّل — افلاک کو سکتہ ہے پہاڑوں کو تزلزُل

اب تو یہ قسم کھاتے ہو غازی نہیں ایسا
مرنے پہ کہو گے کہ نمازی نہیں ایسا

القصہ یہ جبریلؑ کو خالق نے ندا کی — اُمّت پہ جلال آیا ہے رحمت کو خدا کی
جا لے کے تُو سوغات ہر اک ربِّ ہُدا کی — اور مدح و ثنا بدر و اُحد کے شُہدا کی

اس طرح سے موقوف یہ شمشیر زنی ہو
جو شاہِ شہیداں کی نہ خاطر شکنی ہو

طوبیٰ بھی دکھانا اُسے کوثر بھی دکھانا — پھر شقۂ مختاریِ محشر بھی دکھانا
بچپن میں جو بھیجا تھا وہ محضر بھی دکھانا — اور حاشیے پہ مُہرِ پیمبرؐ بھی دکھانا

خلعت مری الطاف و عنایات کا دینا
اور ساتھ ہی پیغام ملاقات کا دینا

جبریلؑ چلے رن کو یہ ہدیے لئے ہمراہ — زہراؑ نے بھی کی خلد سے تیاریٔ جنگاہ
وارد ہوئے جبریلؑ جو میدان میں ناگاہ — دکھلائے نبیؐ زادہ کو سب ہدیۂ اللہ

حضرت نے کہا کچھ ہمیں ارشاد کیا ہے
جبریلؑ نے کی عرض کہ ہاں یاد کیا ہے

زہراؑ بھی کلائی سے لپٹ کر یہ پکاری — بس بس نہ کہیں سانس اُلٹ جائے میں واری
ان فاقوں کے حملوں کی ثنا کرتا ہے باری — اُمت کی شفاعت ہو یہ ہے فتح تمہاری

جاں بخشو، اماں بخشو، اب ان میں نہیں دم ہے
پیارے کو مرے دُودھ کی دھاروں کی قسم ہے

کیا مل گیا اتنے جو عدو جان سے مارے — پر کم نہ ہوئی پیاس تری بڑھ گئی پیارے
فوارے لگے چھوٹنے زخموں سے تمہارے — لو آؤ لپٹ جاؤ کلیجے سے ہمارے

ماں بیٹے کے مرنے کو گوارا نہیں کرتی
اُمت سے مگر تم کو میں پیارا نہیں کرتی

حضرت نے کہا آنکھوں پہ ارشاد تمہارا — اب دیکھئے خنجر کے تلے صبر ہمارا
کی میان میں تیغ اور لعینوں کو پکارا — لو ظالمو! سب ظلم کئے ہم نے گوارا

اب شان دکھاتا ہوں نہیں حلم خدا کی
حسرت نہ رکھو دل میں کسی ظلم و جفا کی

حضرت کا یہ کہنا کہ بڑھے برچھیوں والے — گھوڑے سے گرانے کے لئے نیزے سنبھالے
اک سینے پہ رکھو رکھ کے چبھونے لگے بھالے — تب عرش کے حمال یہ کرنے لگے نالے

نشتر ہے رگِ جاں میں نکالا نہیں جاتا
اب عرش ترا ہم سے سنبھالا نہیں جاتا

القصہ گرے خاک پہ شاہِ فلک اورنگ ماہی کی طرح ماہِ امامت ہوا چورنگ
زہراؑ کے نمازی نے کیا سجدے کا آہنگ اِس قصد میں پیشانیِ انور پہ لگا سنگ
پتھر سے شکستہ ہوا آئینہ جبیں کا
اور خون کی چادر سے چھپا مُنہ شہِ دیں کا

خوں پونچھنے کو شاہ نے داماں جو اُٹھایا پھر تیرِ سہ شعبہ کسی ظالم نے لگایا
فرماتے ہیں سجادؑ کہ وہ دل میں در آیا دامن تو اُٹھا رہ گیا سر شہ نے جھکایا
یاں پُشت سے یہ تیرِ سہ پہلو نکل آیا
واں مُنہ کا لہو دھونے کو آنسو نکل آیا

حضرت نے لیا چُلّوؤں میں خونِ دلِ پاک تھراتے ہوئے ہاتھوں سے پھینکا سوئے افلاک
فرماتے ہیں باقرؑ نہ گری بوند سرِ خاک ہر روز شفق دیکھ کے ہم ہوتے ہیں غمناک
رنگیں جو شفق سے فلکِ پیر کا رُو ہے
سمجھو نہ شفق یہ مرے دادا کا لہو ہے

مظلوم کا ہمدم فقط اُس دم تھا دمِ سرد مُنہ کا تھا یہ نقشہ کہ کبھی سبز کبھی زرد
جُز پہلوئے زخمی نہ تھا دلدار نہ ہمدرد ابنِ شہِ مرداں پہ ستم کرتے تھے نامرد
آرام نہ تھا ضعف سے زہراؑ کے خلف کو
اک چہرہ تھا کعبے کی طرح چار طرف کو

اتنے میں حصین ابنِ نمیر آگے بڑھا آہ! تیر اُس نے بھی مارا دہنِ خشک پہ ناگاہ
لبریز ہُوا خون سے بالکل دہنِ شاہ فرمایا زباں نے کہ توکلت علی اللہ
لبریز لہو سے تھا ابھی مُنہ شہِ دیں کا
جو نیزا لگا حلق پہ غنوی لعیں کا

پھر شانے پہ ضربت بنِ جعفی نے لگائی حیدرؑ کی عبا کاٹ کے کاندھے سے گرائی
سینے میں سناں نیزۂ خولی کی در آئی کیا لُٹ رہی تھی حضرتِ زہراؑ کی کمائی
تقدیر نے بانٹا بدنِ شاہِ زماں کو
کچھ تیروں کو کچھ تیغوں کو کچھ گرز و سناں کو

حضرت پہ یہ نرغہ تھا کہ جو شمرؔ پکارا لو صاحبو! ہٹ جاؤ ہُنر دیکھو ہمارا
اب تک پسرِ فاطمہؑ کو تم نے نہ مارا کیا فخر جو زخمی کیا سر تو نہ اُتارا
سَر کو، کہ رواں حلق پہ شمشیر کروں میں
اب خاتمۂ حضرتِ شبیرؑ کروں میں

سب ہٹ گئے اور آگے بڑھا شمرِ بد افعال ہر ایک قدم عرش کو کرتا ہوا پامال
اُڑتا تھا مگر رنگِ سیہ زاغ کی تمثال ہر چار طرف تھا نگراں مضطر و بے حال
کچھ کان لگا کر کبھی سُنتا تھا وہ ناری
شعلے کی طرح سر کبھی دُھنتا تھا وہ ناری

پوچھا جو کسی نے تو کہا کیا کہوں کیا ہے اک نُور مرے چار طرف جلوہ نما ہے
ہر مرتبہ اُس نور سے پیدا یہ صدا ہے اے شمر نواسا مرا بے جرم و خطا ہے
پھر جا ارے پھر جا نہ پیمبرؐ پہ ستم کر
مظلوم کے سیّد کے گلے کو نہ قلم کر

کہتا ہوا آیا یہ وہ حضرت کے برابر وہ ریش کہ تھی نورِ خدا قدرتِ داور
وسمہ ہوا جس ریش کا خونِ علی اکبرؑ سینے پہ چڑھا شمر وہی ریش پکڑ کر
کس وقت مگر شاہ نے یہ رنج سہے تھے
جب پیاس میں دانتوں سے زباں چابے رہے تھے

اس پر بھی حیا آئی نہ بے شرم دغا کو — شہ رگ سے ملانے لگا شمشیرِ جفا کو
رعشہ ہُوا لوح و قلم و عرش خدا کو — کی اُلفتِ صادق نے خبر آلِ عبا کو
خیمے میں کسی طرح نہ زینبؑ کو کل آئی
بالوں کو بکھیرے ہوئے باہر نکل آئی

چلاتی تھی بھیا مجھے دیدار دکھا جاؤ — بعد اپنے ٹھکانا کوئی رہنے کا بتا جاؤ
بھیا مجھے غش آتا ہے بُو اپنی سُنگھا جاؤ — بالائے زمیں بیٹھی ہوں مسند پہ بٹھا جاؤ
شہ رگ پہ کہیں تیغ تو چلتی نہیں بھائی
آواز بھی اب منہ سے نکلتی نہیں بھائی

آگے جو بڑھی آہ یہ محشر نظر آیا — مظلوم کے سینے پہ ستمگر نظر آیا
اک ہاتھ میں ریش ایک میں خنجر نظر آیا — چلائی ارے لوگو برادر نظر آیا
لو دیکھ لو اب حال سب آئینہ ہے لوگو!
کیا بولتے زانو کے تلے سینہ ہے لوگو!

پھر بہرِ مدد اپنے بزرگوں کو پکارا — یا شاہِ رُسل مٹتا ہے اب نام تمہارا
یا شیرِ خدا چھپتا ہے زہراؑ کا ستارا — اے فاطمہؑ کیا اب تمہیں بیٹا نہیں پیارا
پھر بولی بڑا فوجِ حسینی کا کدھر ہے
سردار کی اپنے نہ مدد ہے نہ خبر ہے

اے اکبرؑ و عباسؑ گُستندوں کو ہٹاؤ — اے عونؑ و محمدؑ مجھے بھائی سے ملاؤ
اے عابدِ بیمار مسیحا کو بچاؤ — اے اصغرِ بے شیر تمہیں گھٹنیوں آؤ
کس وقت لعیں سینے پہ اسوار ہوا ہے
بھائی مرا اب بے کس و بے یار ہوا ہے

پھر سوئے بنِ سعد پکاری وہ دل افگار
کیسا تو قریشی ہے حمیت نہیں زنہار
آنکھوں سے اُٹھا پردۂ غفلت اسے خونخوار
ہے ہے یہ گلا کس کا ہے اور کس کی ہے تلوار
ایسا نہیں اُمت میں جگر سخت کسی کا
سر کٹتا ہے آگے ترے فرزندِ نبیؐ کا

زینبؑ پہ تصدق ہوئیں سیدانیاں آکر
رو کر کہا اے بنتِ علیؑ شکرِ خدا کر
بے رحموں سے درد اپنا نہ کہہ حق سے دعا کر
وہ کہنے لگی دُور سے بھائی کو دکھا کر
ہے پیاس کا صدمہ کہ غمِ فاقہ کشی ہے
یا موت کی مظلوم برادر کو غشی ہے

شبیرؑ کے سینے سے تو اُترے گا نہ بے پیر
اب ہوش میں آنے کی کرو اور ہی تدبیر
منہ پھیر کے رونے لگی سب عترتِ شبیرؑ
پھر آنے کو زینبؑ کے یہ کی بیوؤں نے تقریر
سر ننگے جو میدان میں دیکھا ہے بہن کو
غش آیا ہے غیرت سے شہنشاہِ زمن کو

وہ بولی یہ باعث ہے تو پھر جاتی ہوں گھر کو
ہوش آئے الٰہی کہیں زہراؑ کے پسر کو
مُڑنا تھا ادھر کو کہ بجے طبل اُدھر کو
چلائے ستم ذبح کیا تشنہ جگر کو
کیا شاد چھری پھیر کے کافر ہوئے ہے ہے
لو پنجتنِ پاک اب آخر ہوئے ہے ہے

سر غش میں کٹا ہوش میں آنے بھی نہ پائے
کچھ حق میں سکینہؑ کے سنانے بھی نہ پائے
ہمشیر کو پاس اپنے بلانے بھی نہ پائے
اور خاک سے گردن کو اُٹھانے بھی نہ پائے
قبلے کی طرف پاؤں کو پھیلائے ہوئے ہیں
کس شان سے تنہائی کے عالم میں سوئے ہیں

یہ تو کہا اور ہو گئی غش صاحبِ الفت — ہوش آیا تو بولی عجب اماں کی ہے قسمت
آغوش میں اُن کے ہوئی بیٹے کی شہادت — غش میں نظر آئیں مجھے خاتونِ قیامت
سر بیٹے کا زانو پہ دمِ ذبح دھرا ہے
بھائی کے لہو سے کفن اماں کا بھرا ہے

بس ابرِ قلم بس کہ ہوا خوب گہر بار — بجلی کی طرح آہ ہے شیعوں کی شرر بار
ہے بارگہِ حق میں دُعا میری یہ ہر بار — اب اپنے فدائی کا دکھاوے مجھے دربار
جائے تو پھر آئے نہ گھر کو نہ وطن کو
مرنے پہ ملے خاکِ شفا اُس کے بدن کو

---

# سلام

غمِ آلِ عبا ہے اور میں ہوں — سلامی یہ غذا ہے اور میں ہوں
خیالِ کربلا ہے اور میں ہوں — بہشتِ جانفزا ہے اور میں ہوں
عجب کیا گر فرشتہ ہو سگِ نفس — درِ شبیر ندا ہے اور میں ہوں
چُنوں موتی بیابانِ نجف کے — یہ دُرِ مدعا ہے اور میں ہوں
مثالِ دانہ پیستا ہوں شب و روز — فلک کی آسیا ہے اور میں ہوں
نہ پہنچا کربلا میں کیوں دمِ حشر — یہ بختِ نارسا ہے اور میں ہوں
جو ڈھونڈا تاج کُرسی بول اُٹھا عرش — علیؑ کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

نبیؐ کہتے تھے اے حیدرؑ تمہارا — ثنا سا اک خدا ہے اور میں ہوں
یہی ہے ناخنِ قدرت کی آواز — علیؑ مشکل کُشا ہے اور میں ہوں
صفِ دشمن سے حُر نکلا یہ کہہ کر — بس اب راہِ وفا ہے اور میں ہوں

قطعہ

خبر دیتا ہے رَن میں حُسنِ اکبرؑ — سدا نورِ خدا ہے اور میں ہوں
جمالِ پاک نازاں ہے کہ بے مثل — شبیہِ مصطفٰےؐ ہے اور میں ہوں
لبِ شیریں مخاطب ہے خضرؑ سے — لطیف آبِ بقا ہے اور میں ہوں
شبِ معراج کہتی ہے کہ یکتا — یہ گیسوئے دوتا ہے اور میں ہوں
ندا ہے دوش پہ نادِ علیؑ کی — سپر اِک لافتیٰ ہے اور میں ہوں
مگر صد حیف سن کا ہے یہ اظہار — جوانی کی قضا ہے اور میں ہوں

---

وطن میں حالِ صغریٰؑ جس نے پوچھا — کہا آہ و بکا ہے اور میں ہوں
نشانِ شاہ سے کہتا تھا اقبال — ترا پیرو ہما ہے اور میں ہوں
دُلہن کہتی تھی دل ہے خون جس کا — جہاں میں وہ حنا ہے اور میں ہوں
بہن چلائی تنہا ہو دمِ ذبح — کہا شہ نے قضا ہے اور میں ہوں
گلا بھی خشک ہے خنجر بھی بے آب — شہادت کا مزا ہے اور میں ہوں
غبارِ راہِ مہدیؑ ہے نظر میں — تلاشِ کیمیا ہے اور میں ہوں
دُعا بھی مال و دولت کی نہ مانگوں — ہمیشہ یہ دُعا ہے اور میں ہوں

تمنّا دولت و حشمت کی بے جا
دبیرؔ آخر فنا ہے اور میں ہوں

# مرثیہ نمبر ۲

## سبطینِ علیؑ رونقِ میدانِ وغا تھے

بند ۸۹

(دراحوالِ حضرتِ عونؑ و محمدؑ دپسرانِ جنابِ زینبؑ)

# سلام

نام پر شاہ کے جو پانی پلا دیتے ہیں
میرِ کوثر اُنھیں مجرائی دُعا دیتے ہیں

فاطمہؑ کہتی ہیں دُنیا میں یہ آباد رہیں
شہ کا پُرسا مجھے سب اہلِ عزا دیتے ہیں

کربلا میں کوئی مدفون اگر ہو تو حسینؑ
خاک کو مرتبہ خاکِ شفا دیتے ہیں

چشمِ سجّادؑ اگر ضعف سے بھی ہوتی ہے بند
اشقیا پاؤں کی زنجیر ہلا دیتے ہیں

بوسہ لے کر لبِ سوفار کا کہتے تھے حسینؑ
بھوک اور پیاس میں کیا تیر مزا دیتے ہیں

دیکھ کر لاشوں کو شہ کہتے تھے اے پیرِ فلک
یوں کہیں خاک میں گلزار ملا دیتے ہیں

رو کے کہتی تھی سکینہؑ کہ ہمیں قید کیا
لوگ زنداں سے یتیموں کو چھڑا دیتے ہیں

کیا سخی ہیں شہِ دیں بخششِ اُمت کے لئے
جان بھی دیتے ہیں اور گھر بھی لٹا دیتے ہیں

یہ سلامِ شہِ مظلوم کہا خوب دبیرؔ
دیکھیں انعام میں مولا مجھے کیا دیتے ہیں

بینِ علیؑ رونقِ میدانِ وغا تھے　　　　وہ وارثِ جاہ و حشمِ شیرِ خدا تھے
ہی سے شیدائے شہِ ارض و سما تھے　　　　وہ معنیٔ لفظِ شرف و حلم و وفا تھے

پروانہ تھے شمعِ رُخِ فرزندِ نبیؐ کے
ہالہ کی طرح گرد تھے خورشیدِ علیؑ کے

سے تھی جلوہ نما خوبیٔ انجام　　　　نام اُن کے ہیں زیبِ ورقِ دفترِ اسلام
دِنِ الٰہی تو محمّدؐ کے یہ ہمنام　　　　وہ راحتِ روحِ شہِ مرداں تو یہ آرام

تھے عونِ جری جعفرِ طیّار کے ثانی
ہمنامِ نبیؐ حیدرِ کرّار کے ثانی

میں ہنر وہ تھے کہ حیران تھے دانا　　　　سیکھے تھے وہ عباسؑ سے چوَرنگ لگانا
کبرؑ جرّار سے نیزے کا ہلانا　　　　شبّیرؑ سے قبلے کی طرف سر کو جھکانا

قاسمؑ سے سب اطوارِ حسنؑ یاد کیے تھے
اللہ نے زینبؑ کو عجب لال دیے تھے

یِ طالع ہیں تھے وہ یوسفِ ثانی　　　　اُٹھ بیٹھتے تھے رات کو سوتے میں وہ جانی
چھتی تھی کیوں؟ تو یہ تھی رطبِ لسانی　　　　اَمّاں شہِ مرداں کی کہو کوئی کہانی

توڑے تھے جو بُت کعبے میں وہ کون سا دِن تھا
چیرا تھا جو اژدر کو تو کیا نانا کا سِن تھا

کس جنگ میں کی نادِ علی وردِ نبیؐ نے — آواز کہاں اُن کی سُنی حق کے ولی
جنّات پہ تو فتح نہ پائی تھی کسی نے — اس آگ کو پانی کیا کس طرح علی
کس حرب میں یہ ضرب لگی بالِ ملک پر
کاٹے پرِ جبریلؑ زمیں پر کہ فلک پر

ماں کہتی تھی اژدر کو تو جھولے میں کیا شق — بیرالعلم و بدر و اُحد، خیبر و خ
سب معرکے بابا ہی نے فیصل کیئے برحق — قربان گئی ہمّتِ مرداں مدد
سُنتے ہو کہانی تو بہت حق کے ولی کی
ہمّت بھی دکھانا کسی میداں میں علیؑ کی

وہ سر کو ہلاتے تھے کہ حضرت کی دعا سے — آخر اُسی نانا ہی کے ہم بھی ہیں نو
ہونے دو بڑا ہم کو ذرا فضلِ خدا سے — موقع ہو تو اب بھی نہیں ڈرتے ہیں قض
پُر زور جوانی کا جوانی میں کریں گے
یہ علم نہ تھا ہائے کہ بچپن میں مریں گے

ناگاہ اُٹھا آب و خورش گھر سے حرم کا — خیمہ ہوا کعبے میں شہنشاہِ اُم
ٹھہرا نہ قدم کعبے میں بھی فخرِ حرم کا — وہ موسمِ حج اور وہ یورشِ اہل
حجاج تو آتے تھے عرب اور عجم سے
بے حج کیے سادات نکلتے تھے حرم سے

عبد اللہِ جعفر نے کہا شہ سے یہ ناگاہ — کیوں قبلۂ حاجات چلے کعبے سے
خیر اتنی مری بات یہ اب مانیئے للہ — خود جائیے کُنبے کو نہ لے جا
گو ہو گا قلق دوریِ سلطانِ اُمم کا
پر کعبے میں رہ جائے گا پردہ تو حرم کا

یہ سُن کے حرم میں ہُوا کہرام قضارا
پردے کے قریب آن کے زینبؑ نے پکارا
بس بس مرے صاحب نہ یہ پھر کہیو خدارا
ہے ہے تمہیں تنہائی ہے سیّد کی گوارا
بِن بھائی کا مجھ کو کئے دیتے ہو ابھی سے
بچھڑی ہوں نہ بچھڑوں گی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

میں سمجھی جو اس بات میں مطلب ہے تمہارا
بیٹوں کی جدائی نہیں صاحب کو گوارا
مختار ہو تم اُن کے کیا میں نے کنارا
اولاد تمہیں پیاری ہے بھائی مجھے پیارا
بیٹوں کو تمہارے تمہیں دے جائے گی زینبؑ
جان اپنی فقط صدقے کو لے جائے گی زینبؑ

یہ سُنتے ہی زینبؑ کے پسر آنکھ بچا کر
شبیرؑ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے آ کر
عبد اللہِ جعفر نے کہا خیمہ میں جا کر
بس بنتِ علیؑ بس نہ خجل بہرِ خدا کر
گر کہہ نہ پسر آقا پہ کر دوں آپ تصدق
میں ان پہ تصدق مرے ماں باپ تصدق

شبیرؑ نے فرمایا یہ جعفرؑ کے پسر سے
بے حج کئے جاتا نہ میں اللہ کے گھر سے
پر دل مرے قابو میں نہیں پچھلے پہر سے
نانا نے کہا خواب میں لپٹا کے جگر سے
کیا بیٹھے ہو یاں بادیہ کی سیر کرو تم
اُمّت کا مری خاتمہ بالخیر کرو تم

ہوتا جو نہ یہ عمرے سے حج کو نہ بدلتا
بندہ ابھی اللہ کے گھر سے نہ نکلتا
خوش ہوگا خدا نانا کے کہنے پہ ہوں چلتا
یہ یاد رہے وقت قضا کا نہیں ٹلتا
نانا کی لحد میری غریبی پہ ہلے گی
مٹی یہ جہاں کی ہے وہیں جا کے ملے گی

اِک آہ بھری اور پکارا وہ وفادار ہے ہے ہمیں ہونا تھا نہ اِن روزوں میں بیمار
تم پا بہ رکاب اور رَمَد کا مجھے آزار آنکھوں سے میں چلتا مگر اب کیا کروں ناچار

دو نورِ نظر حق نے عنایت جو کئے ہیں
خادم نے وہ نعلین اُٹھانے کو دیئے ہیں

ناگاہ یہ زینبؑ نے کہا اے شہِ ابرار اِک بات کہا چاہتی ہے خواہرِ ناچار
تم مانو گے اللہ کے گھر میں کرو اقرار شہ بولے کہو مانیں گے اے خواہرِ غمخوار

زینبؑ نے کہا وقت پہ چپکی نہ رہوں گی
وعدہ تو ہوا منزلِ آخر میں کہوں گی

القصّہ چلے کعبے سے شاہنشہِ ابرار نقّارہ بجا کوچ کا شبیرؑ کے اک بار
ہِل ہِل گئے آواز سے جس کی در و دیوار غل تھا کہ چلا لختِ دلِ حیدرِ کرّار

زہراؑ و پیمبرؐ نے تو دُنیا سے قضا کی
نوبت ہے یہ اب خاتمۂ آلِ عبا کی

کیا شہ کی سواری کا بیاں ہوئے تجمّل تھے ساتھ عزیز و رفقا شاہ کے بالکل
ایک ایک کے چہرے سے عیاں صبر و تحمّل کہتے ہیں جسے زادِ سفر تھا وہ توکّل

مشتاقِ اجل فوجِ امامِ دوسرا تھی
رستے کے بتانے کے لئے ساتھ قضا تھی

سب راہ میں گزرے مہِ ذی الحجہ کے ایّام آغازِ محرّم ہوا اس چاند کا انجام
پھر تو وہ بیابان تھا اور لشکرِ اسلام جس دشت میں عاشورِ کو زہراؑ کا مٹا نام

واں کفر کی صف یاں صفِ اسلام کھڑی تھی
اور فیصلے کو بیچ میں تلوار پڑی تھی

جاگیر میں حُر کو جو ملا گنجِ شہیداں　　زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذیشاں
یہ منزلِ آخر ہے کہا شہ نے بہن ہاں　　کی عرض اب اُس بات کا ہے وقت میں قرباں
کعبے کا جو وعدہ ہے وفا کیجیے مولا
فرزند پکارے کہ رضا دیجیے مولا

مُنہ دیکھ کے حضرت نے جھکایا سرِ انور　　وہ بولیں کہ کچھ اِس میں تامّل ہے برادر
حضرت نے کہا حال تو دیکھو مرا خواہر　　آتا ہوں ابھی لاش پہ مہمان کی رو کر
ہفتم سے غذا چھوٹی ہے اور تشنہ جگر ہوں
زینبؑ تمہیں مُنصف ہوں کہ آخر میں بشر ہوں

اصحاب کا بھی رنج سہوں اپنوں کا بھی غم　　کس سے کہوں کیا مرا دم گھٹتا ہے اس دم
اِک سوگ تو ہے گھر میں نہ لو دوسرا ماتم　　یہ واقعہ حر کا بھی عزیزوں سے نہیں کم
مہمان ہے محسن ہے فدائی ہے ہمارا
بہنوں کی طرح روؤ یہ بھائی ہے ہمارا

گر سیر نہ ہو ماتمِ حُر سے دلِ ناشاد　　اماں کی مصیبت پہ کرو نالہ و فریاد
وہ بولیں اُنہیں کی تو وصیت ہے مجھے یاد　　مانی ہے یہ مَنّت کہ کروں ماتمِ اولاد
لے لو میں قسم دیتی ہوں خاتونِ زمَن کی
صدقے گئی یہ نذر ہے نادار بہن کی

رخصت اِنھیں مِل لے تو اُسے روؤں گی بھائی　　سوگ آپ کے مہماں کا ہے جی کھوؤں گی بھائی
لاشے کا لہو آنسوؤں سے دھوؤں گی بھائی　　چالیسویں تک بوریے پہ سوؤں گی بھائی
پھر لاؤں گی یہ سخت کلیجہ میں کہاں سے
ہے ہے مرے بھائی! تو نہ نکلے گا زباں سے

رو کر شہِ بے کس نے کہا خیر کیا صبر    دی آپ کے بیٹوں کو رضا خیر کیا صبر
ناچار جو مرضیِ خدا خیر کیا صبر    مظلوم پہ یہ بھی ہوں فدا خیر کیا صبر
دل کا ہے وہ عالم کہ پھٹا جاتا ہے غم سے
رونا بھی نگران کا نہ دیکھا گیا ہم سے

تسلیم بجا لائے جگر گوشۂ حیدر    اکبرؑ کے اور اصغرؑ کے پھرے گرد وہ صفدر
اور نادِ علی پڑھ کے برآمد ہوئے باہر    اِک بیشے کے دو شیر نکل آئے برابر
دَور ایسے فلک نے بھی بدلتے نہیں دیکھے
اِک برج سے دو چاند نکلتے نہیں دیکھے

یہ مل کے برادر سے برادر کا نکلنا    ظلمات سے ہے خضرؑ و سکندر کا نکلنا
یا بحرِ وغا جعفرؑ و حیدر کا نکلنا    یاد آ گیا شمشیرِ دو پیکر کا نکلنا
اے صلِّ علیٰ عونؑ و محمدؑ کا تجمّل
حیدر کا تجمّل ہے محمدؐ کا تجمّل

جب زین کے زینے کو دیا پایۂ معراج    غل تھا کہ سرافراز رکابیں ہوئیں بس آج
رستم سے لیا باج سلیماں کو دیا تاج    انصاف کو آباد کیا ظلم کو تاراج
پنہاں پری و جن کے علاوہ ہوئے گھوڑے
سائے کو جو دیکھا تو چھلاوہ ہوئے گھوڑے

دیکھا نہ سنا ہم نے سمندوں کا یہ دستور    وہ کہتا ہے میں طور ہوں یہ کہتا ہے میں طور
وہ کہتا ہے میں رعد ہوں یہ کہتا ہے میں صور    وہ کہتا ہے لیلیٰ ہوں تو یہ کہتا ہے میں حور
وہ کہتا ہے دیکھ آتا ہوں میں گاوِ زمیں کو
یہ کہتا ہے میں پھاندتا ہوں عرشِ بریں کو

وہ کہتا ہے تجلی ہوں یہ کہتا ہے ہوا ہوں　　وہ کہتا ہے سودا ہوں یہ کہتا ہے بلا ہوں

یہ کہتا ہے نکہت ہوں یہ کہتا ہے صبا ہوں　　وہ کہتا ہے عنقا ہوں یہ کہتا ہے ہما ہوں

وہ کہتا ہے واقف ہے قمر کبکِ دری ہوں

یہ کہتا ہے شاہد ہے سلیماں میں پری ہوں

کیا نامِ خدا زین پہ اِن کے ہیں قرینے　　قدرت کی انگوٹھی پہ جڑے حق نے نگینے

لہ نامِ خدا یہ ہیں وہ دینداروں کے سینے　　دو نوحؑ ہیں دو نورِ الٰہی کے سفینے

کیا زین ہیں کیا غازیوں کی جلوہ گری ہے

دو غنچوں میں بُو آٹھ بہشتوں کی بھری ہے

ئینہ کہیں دنگ، سکندر کہیں حیراں　　سکتے میں اِدھر جن ہیں اُدھر عرش میں سلیماں

یک ایک قدم پہ ہے تجلی کا یہ ساماں　　تو صدقے ہیں قرباں یہ بے ہوش وہ بے جاں

بے تاب اِدھر حسن اُدھر نور ہوا ہے

غش خاک پہ موسیٰؑ کی طرح طور ہوا ہے

ت غازیوں کے دبدبے کی دیکھ کے سرکار　　ہر کارے ہوئے سعد کے ہر کار سے بیزار

ھتی ہے خبر اب تو مجھے پائیں خبردار　　نے سر ہیں نہ سردار نہ اب ہوش نہ ہشیار

پر غُل ہے کہ سبطینِ امیرِ عرب آئے

اک فوج پہ اللہ کے دُہرے غضب آئے

لاتا ہے کعبہ مرے ارکان یہی ہیں　　ایماں کی ندا ہے مرے ایمان یہی ہیں

ت کہتے ہیں ہم جن پہ ہیں قربان یہی ہیں　　اور روحِ امیں بولے مری جان یہی ہیں

ہمت پہ نثار اِن کے ارادوں پہ تصدق

سلمان و سلیماں کے خوزادوں پہ تصدق

چار آنکھیں ہیں نو لاکھ سے اور نیمچوں پر ہاتھ　　دونوں ہیں رجز خواں مگر اک قول اور اک بات
کہتے ہیں کہ اے شامیو! دن کو نہ کرو رات　　ہم قبلۂ اشراف ہیں ہم سیّد سادات

جن بندوں کی اُلفت میں خدا ملتا ہے ہم ہیں
جن شیروں کے نعروں سے فلک ہلتا ہے ہم ہیں

رَن پر جو چڑھیں لاشوں سے رَن پاٹ کے چھوڑیں　　بے غرق کیے ہم نہ بڑے گھاٹ کے چھوڑیں
بیچ نیمچے عنقا کا لہو چاٹ کے چھوڑیں　　سیمرغ کے بھی قاف میں پر کاٹ کے چھوڑیں

لڑنے میں فرشتوں نے ہنر مانے ہمارے
جبریل کے پر کاٹے ہیں نانا نے ہمارے

واقف ہیں صغیر اور مسن نام علیؑ سے　　مانندِ خضرؑ بڑھتا ہے سن نام علیؑ سے
ظلمات میں ہو جاتا ہے دن نام علیؑ سے　　شیشے میں اُتر آتے ہیں جن نام علیؑ سے

پتھر میں شرر جتنے ہیں روشن ہیں علیؑ پر
دریا میں گہر جتنے ہیں روشن ہیں علیؑ پر

کیا غم ہے جو نو لاکھ جواں تم ہو قلم بند　　ہم نیمچے کھینچیں تو ابھی سب کا ہو دم بند
سب شہروں کے رستے ہوں بجز راہِ عدم بند　　تم کیا ہو نہیں جنگ میں شیروں سے بھی ہم بند

اس ہدیے کے قابل تھے ہمیں کیا کوئی جانے
تلوار کسی اور کو بھیجی نہ خدا نے

یوں ہم کو ہے سلطانِ رسالت سے قرابت　　جس طرح سے پشتِ نبیؐ و مُہرِ نبوت
نزدیک ہے یوں رشتۂ خاتونِ قیامت　　جس شکل سے تسبیح کے دانوں کو ہے نسبت

ماں اُس کی نواسی ہے جو تم سب کا نبیؐ ہے
ماموں کو جو پوچھو تو حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

…ا کر یہ رجز سب کے جگر خوف سے دھڑکے　　قبضے میں نہ تھا دل پہ بڑھے شیخ پکڑ کے
…تے تھے کہ ظاہر میں تو یہ پیاسے ہیں لڑکے　　لڑکے ہیں مگر دیکھئے کیا کرتے ہیں لڑکے
ڈرتے ہیں نہ تیغوں سے نہ بم سے نہ قضا سے
کیوں شیر نہ ہوں شیرِ خدا کے ہیں نواسے

…تا ہوا لشکر سے بڑھا شمرِ بدافعال　　بولا یہ کہو زینبؑ بے کس کے ہو تم لال
…یا دعبث کرتے ہو اُس بی بی کا اقبال　　کیا دیکھا ہے دنیا کا ابھی کیا ہے سن و سال
لو خیر اسی میں ہے چلے جاؤ خدارا
زینبؑ کو ضعیفی میں نہ رُلواؤ خدارا

…ترا گئے سبطینِ جنابِ شہِ مرداں　　چلائے کہ او بے ادب او دشمنِ ایماں
…ے مریمِ آفاق نہ مخدومۂ دوراں　　نام اُن کا تو لیتا ہے زباں سے سرِ میداں
اللہ سزا دے تجھے اس بے ادبی کی
اس وقت لحد کانپ گئی ہو گی نبیؐ کی

…ونین کی شہزادی کا اب کی جو لیا نام　　تالو سے زباں کھینچ لی او ظالم خود کام
…م نے تو کیا ضبط بھی کچھ سوچ کے انجام　　سن لیں نہ بڑے بھائی کہیں دیکھ زباں تھام
ظالم نے کہا عفو کر دیا کہ سزا دو
پر اپنے بڑے بھائی کا تو نام بتا دو

…مشہور تو دنیا میں ہو تم دو ہی برادر　　ہے اور بھی کوئی خلفِ دخترِ حیدر
…یہ بولے کہ ہاں، بھائی جنابِ علی اکبرؑ　　ایمانِ عرب، جانِ عجم، غازی و صفدر
امّاں بی نے بیٹا کیا امّاں ہی نے پالا
ہمشکلِ نبیؐ سلّمہٗ اللہ تعالیٰ

یہ کہتے ہیں ماں اُن کو، وہ فرماتی ہیں فرزند — اور ہم تو سمجھتے ہیں اُنھیں اپنا خداوند
ماں کا ادب کرتے ہیں ہم سے بھی یہ دہ چند — غیرت ہے وہ، فی الفور لرز جاتا ہے ہر بند
جب یاد میں نانا کی حزیں ہوتی ہیں اماں
چلّا کے حضور ان کے نہیں روتی ہیں اماں

پایاں نہیں بے شرم تری بے ادبی کا — نامحرموں میں نام لیا اُن کی پھوپھی کا
کنبے میں بھی ایسا نہیں مقدور کسی کا — یوں نام حقارت سے جو لے بنتِ علیؑ کا
جب صبح کو جھکتے ہیں یہ تسلیم کی خاطر
مسند سے امام اُٹھتے ہیں تعظیم کی خاطر

ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — قربان میں، آداب شناسی پہ تمہاری
اس دم تو یہ حرمت ہے یہ عزت ہے ہماری — پر شام کو شانوں میں رسن باندھیں گے ناری
بازاروں میں سر کھولے ہوئے جائے گی زینبؑ
تم قدرشناسوں کو کہاں پائے گی زینبؑ

واں شمر سے دونوں نے کہا سُن کے یہ ارشاد — ہم نے جو تحمل کیا روشن تھی یہ روداد
ہے ایسی کریم اور رسولوں کی بھی اولادؐ — خود ہوتے ہیں برباد کہ اُمت نہ ہو برباد
اُمت کے لئے بھائی سے چھٹنے پہ ہیں راضی
ہم مرنے پہ راضی ہیں وہ لٹنے پہ ہیں راضی

سب ناریوں سے کہنے لگا جل کے وہ ناری — اللہ رے یہ سن اور یہ سمجھ قدرتِ باری
حاشا یہ سنیں گے نہ ہماری نہ تمہاری — تقریر میں ہیں بند نہ شمشیر میں عاری
بے قتل ہوئے اب انھیں آرام نہیں ہے
تم جانو یہ جانیں ہمیں کچھ کام نہیں ہے

نو لاکھ نے چو گرد سے شیروں کو جو گھیرا
تیغوں سے اُجالا ہوا ڈھالوں سے اندھیرا
بولا تن و سر، اب نہ مرا تو نہ میں تیرا
مُنہ قبلۂ ایماں کی طرف شیروں نے پھیرا
کی عرض لڑیں یا یونہی دُنیا سے گزر جائیں
ارمان نکالیں کہ پُرارمان ہی مر جائیں

مولا نے تو گردن طرفِ سینہ جُھکائی
عباسؑ دلاور کو مگر تاب نہ آئی
چلّائے کہ ہم نے ہے تمہیں جنگ سکھائی
دکھلاؤ تو اِن چھوٹے سے ہاتھوں کی صفائی
صف کاٹنا، خوں چاٹنا تیغوں کو سکھا دو
ہاں اے مرے شاگردو! مری شان دکھا دو

دونوں نے کیا مشورہ اُس قہر و غضب میں
فرمایا کہ ہے فرق حسب میں نہ نسب میں
دو مل کے لڑیں یہ نہیں دستورِ عرب میں
وہ کام کرو آج کہ چرچا رہے سب میں
سرتا بقدم خون میں ڈوبیں تو بلا سے
دھبّہ نہ شجاعت میں لگے فضلِ خُدا سے

کچھ سوچ کے چھوٹے نے کہا میں نے یہ مانا
اک غول پہ تنہا ہوئے گر آپ روانا
پھر ٹوٹ پڑے سب تو کہاں میرا ٹھکانا
فرمایا بلائیں گے نہیں خود چلے آنا
تم نیمچہ اپنا بھی علَم کیجیو بھائی
جب جنگ ہو مغلوبہ سمجھ لیجیو بھائی

یہ مشورہ ٹھہرا کے بڑھے عونؑ خوش القاب
شمشیر ہلالی ہوئی رَن کے لئے مہتاب
یوں پیاس میں للکارے کہ دل سب کے ہوئے آب
فرمایا کہ بسم اللہ اگر ضرب کی ہے تاب
گمناموں سے روکش ہو دماغ اتنا ہے کس کو
وہ آئے گھمنڈ اپنی شجاعت پہ ہو جس کو

اِک سُور نکل آیا پرے سے صفتِ شیر — جعفرؑ نے کیا تھا پدر اُس کا تہِ شمشیر
بے مہر کو اس چاند کا جلوہ ہُوا اندھیر — لُو لگ گئی، دوزخ کے شراروں نے لیا گھیر
یُوں عون پہ وہ دشمن روئیں بدن آیا
تاروں نے کہا چاند پہ دن کو گہن آیا

وہ قلعۂ خیبر تھا تو یہ دستِ خدا تھا — وہ دُودِ جہنم تو یہ جنّت کی ہوا تھا
وہ قہر میں طوفاں تو یہ خاکِ شفا تھا — وہ زور میں حاکم تھا تو یہ حکمِ خدا تھا
یہ حق کا خلیلؑ اور بُتِ آذر تھا وہ ناری
حیدرؑ تھا یہ صفدر اگر اژدر تھا وہ ناری

ناگاہ نظر شہ نے سوئے دشتِ جفا کی — دیکھا کہ گھٹا چاند پہ چھائی ہے دَغا کی
بے ساختہ آنسو نکل آئے یہ دُعا کی — اللہ تری ذات ہے حامی غربا کی
شہزوروں پہ ور تو نے ضعیفوں کو کیا ہے
اِس شیر نے خواہر کا مری شیر پیا ہے

نام اپنا سُنا دخترِ زہرا نے جو ناگاہ — فضہ سے کہا ذکر ہے کیا دیکھ تو للہ
وہ بولی دُعا فتح کی فرما رہے ہیں شاہ — چلّائیں بہن صدقے ہو اے سرورِ ذی جاہ
اُمّت کے لئے میری کمائی کو لُٹا دو
صدقے ہوں یہ تم پر انھیں مرنے کی دعا دو

یُوں رَن میں ستمگار نے کھولا دہنِ لاف — ہاں شور مرے زور کا ہے قاف سے تا قاف
ہو مجھ سے کدورت جسے گھر اُس کا کروں صاف — آئینے کی صورت سے ہیں روشن مرے اوصاف
جعفرؑ نے مرے دل کو دیا دردِ یتیمی
دھوؤں گا ترے خون سے میں گردِ یتیمی ۔

ب کا بڑا لال ہوا یوں گہر افشاں — ہے شوقِ ملاقاتِ پدر تجھ کو فراواں
قعرِ جہنّم میں ہے وہ دشمنِ ایماں — رہ تو بھی وہیں جاتا ہے اے پیرِ شیطاں

اِس خوانچۂ تیغ میں سر تیرا دھروں گا
دوزخ کے عذابوں کی ضیافت میں کروں گا

مہ کے بڑھی فتح بھی شوکت بھی حشم بھی — تائیدِ خدا بھی مددِ خیرِ اُمم بھی
ا کی دعا بھی شہِ مرداں کا کرم بھی — جعفرؑ کی ندا آئی کہ تیار رہیں ہم بھی

شیرانہ بڑھا شیر سروہی کو سنبھالے
دوزخ نے کہا بھیجئے، ارشاد کیا "لے"

م پہ جھکی تیغ کہ ملتے ہیں گلے ہم — مغفر نے کہا سر سے خبردار! چلے ہم
بولا کہ جا چھپتے ہیں پاؤں کے تلے ہم — اعمال پکارے نہ ٹلیں گے نہ ٹلے ہم

تکتا تھا وہ بے رحم ادھر اور اُدھر کو
ہر جا سے ندا آتی تھی جا دارِ سقر کو

نہ کیا نامرد نے تلوار پہ اپنا — اِس شیر نے بھی نیمچہ تولا اِدھر اپنا
زن سے رواں ہو گئی جی چھوڑ کر اپنا — فن اپنا وہ دکھلانے لگا یہ ہنر اپنا

سر پر جو پڑی تیغ، نہ دل تھا نہ کلیجہ
مغزِ سرِ ناپاک سقر کے لئے بھیجا

گے جو بڑھی قفل کھلا ناف کا جھڑ سے — ہستی کا محل پھینک دیا کھود کے جڑ سے
م لے کے اجل بھاگ گئی بیچ ادھڑ سے — دو ٹکڑے گرے خاک پہ اِک جسم کے دھڑ سے

گرتے ہوئے جس شخص میں دل اُس کا لگا تھا
اللہ ری بُرِش اُس کا بھی ہر بند جدا تھا

جب عونِ الٰہی سے وہ ناری ہوا فی النّار
اِک شیر پہ نَو لاکھ کی پڑنے لگی تلوار
گھبرا کے محمدؐ نے ندا دی یہ کئی بار
اب تو ہے اجازت مجھے اے ثانیِ طیّار
واں خاتمہ بالخیر ہوا جاتا ہے بھائی
ارمان یہاں دل میں رہا جاتا ہے بھائی

بھائی نے کہا بھائی سے مڑ کر کہ چلے آؤ
واں دھوپ ہے یاں سائے میں تیغوں کے تلے آؤ
آؤ مرے پیارے مرے گودی کے پلے آؤ
پر میری طرح کاٹتے اعدا کے گلے آؤ
یہ سُن کے اُڑایا جو تکاور تو وہیں پہنچے
وہ صاحبِ معراج یہ جبریلِ امیں تھے

شمشیرِ محمدؐ جو ہوئی میاں سے روشن
من سانپ کا سمجھی اُسے جی میں صفِ دشمن
آگے جو بڑھی سائے سے پیدا ہوئی ناگن
ڈسنے لگی ناگن دل و جان و سر و گردن
یوں دھوپ کو سائے سے نکلتے نہیں دیکھا
یوں سانپ کو بھی مہرہ اُگلتے نہیں دیکھا

اس تیغ کے پانی میں وہ ناری بہے ایسے
یاں اشکوں میں بہتے ہیں گنہ شیعوں کے جیسے
گو مکر تھا ہامان کا پیدا رگ و پے سے
فرعون کے مانند مگر ڈوبے ہیں کیسے
رُخ دولت و زر سے صفِ بے پیر نے پھیرا
نَو لاکھ پہ پانی دمِ شمشیر نے پھیرا

گرمی یہ شرر تیغِ شرر دم کے جو آئے
جوہر نے کنوئیں قعرِ جہنم کو جھکائے
تھے مرغِ نگہ پردوں میں پر اُس نے جلائے
عنقائے تصور کے کباب اُس نے لگائے
دکھلائے ہنر شعلہ فشانی کے ہزاروں
دوزخ پہ گھڑے پڑ گئے پانی کے ہزاروں

معراج ملی تیغ کو میدانِ ستم میں　　مانندِ مسیحا یہ فلک پر گئی دم میں
نکہت کی طرح حوریں چھپیں باغِ ارم میں　　پوشیدہ قلم لوح میں تھا لوح قلم میں
عیسیٰؑ کو خبردار کیا سر نہ ہلانا
جبریلؑ کو فرمان دیا پر نہ ہلانا

جھپٹے جو سواروں پہ وہ توسن سے جدا تھے　　دیکھا جو پیادوں کو وہ سب تن سے جدا تھے
سرپوشِ کلہ، چنبرِ گردن سے جدا تھے　　تل آنکھ سے، دل سینے سے، سر تن سے جدا تھے
اونچی ہوئیں شمشیریں یکایک جو سروں سے
جبریلِ امیں ہاتھ اٹھا بیٹھے پروں سے

جو میمنے پر آئے انھیں عونؑ نے مارا　　سر میسرہ والوں کا محمدؑ نے اتارا
رومال ہلا کر پسرِ سعد پکارا　　بس غازیو بس اب نہ تحمل ہے نہ یارا
عاشق ہو بہت جس کے قسم تم کو اسی کی
یعنی شہِ مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ کی

یہ سنتے ہی زینبؑ پہ ترحم ہوا طاری　　عباسؑ کو پردے کے قریب آ کے پکارا
اب دل نہیں قابو میں نکلتی ہوں میں واری　　بے چین ہوں سن کر کلمہ گویوں کی زاری
تم تو بہت امت پہ ترس کھاتے ہو بھائی
شاگردوں کو اپنے نہیں سمجھاتے ہو بھائی

وقفہ کیا سوگندِ شہنشاہِ امم پر　　قربان ہوئے یہ مرے بھائی کی قسم پر
ہاتھ اب تو نہیں قبضۂ شمشیرِ دودم پر　　بس لڑ چکے اب صبر کریں ظلم و ستم پر
اب دین مرے نانا کا ہے کو رہے گا
امت جو نہ ہو گی کلمہ کون پڑھے گا

شہرہ تو شجاعت کا سُنا سب کی زبانی　　مشتاق ہوں سُنوائیں مجھے اپنی سُنانی
اب تو نہیں اُمت پہ غضبناک یہ جانی　　وہ بولے کہ مکار ہیں سب ظلم کے بانی
مولا کی قسم سُن کے وہ غازی تو رُکے ہیں
پر تیغوں کو کھینچے ہوئے جلاد جھکے ہیں

اتنے میں خبر آکے یہ اکبرؑ نے سُنائی　　مارے گئے ہے ہے پھوپھی اماں مرے بھائی
جان آپ نے اُمت کی سفارش سے بچائی　　لوٹی اِنہیں بے رحموں نے حضرت کی کمائی
آنے نہ دیا نیزہ لگا کر اِدھر اُن کو
کیا جانیئے اب لے گئے گھوڑے کدھر اُن کو

چلائی وہ شہ کو کہ نہ تم جائیو بھائی　　لاشوں کو علمدار سے منگوائیو بھائی
تم فاقے میں تکلیف نہ فرمائیو بھائی　　جب آئیں تو باہر اُنھیں ٹھہرائیو بھائی
دروازے پہ ہم لاشوں سے مل جائیں گے حضرت
صدقے کو بھرے گھر میں کہاں لائیں گے حضرت

یاں خیمے میں کہرام تھا واں رن تہ و بالا　　پھل بھی نہ کلیجے سے دلیروں نے نکالا
جب ظالموں نے بھائیوں میں تفرقہ ڈالا　　گرتے ہوئے تنہائی و غربت نے سنبھالا
اک چاند اِدھر ایک اُدھر رن میں پڑا تھا
اور بیچ میں تیغیں لئے اک غول کھڑا تھا

آنکھ اُن کی کھلی غش سے تو بھائی کو پکارے　　یہ ہوش میں آئے تو کہا صدقے تمہارے
پر بیچ سے بے رحم نہ ہوتے تھے کنارے　　جو بھائی کے چہرے کے کرے بھائی نظارے
جو پوچھتا تھا مر کے مرا بھائی کدھر ہے
چلاتے تھے ظالم وہ علم نیزے پہ سر ہے

ناگاہ نمودار ہوئے اکبرؑ و عباسؑ جان آگئی دونوں ہیں دم بیکسی و یاس
پرشہ کی طرف سے ہوا اندیشہ و وسواس وہ بولے امام اچھے ہیں یار و نہ ہو بے آس
گو نام علیؑ لے کے سنبھالا ہے کلیجہ
پر غم سے تمہارے تہ و بالا ہے کلیجہ

پھر اکبرؑ و عباسؑ نے بلوے کو ہٹایا عباسؑ نے سینے سے محمدؑ کو لگایا
اور عونؑ کو آغوش میں اکبرؑ نے اُٹھایا جھک جھک کے برادر کو برادر سے ملایا
لاشے جو وہ نزدیک خیام حرم آئے
سر پیٹتے لینے کو امام اممؑ آئے

پہنچے جو در خیمہ پہ چلائے یہ شبیرؑ لو بھائی کے فدیوں کی زیارت کرو ہمشیر
لپٹا لو گلے موت کی ہچکی ہے گلوگیر وہ بولی مجھے سوچ ہے یہ اے شہ دلگیر
حضرت کے بچانے کا جو سامان کروں گی
اب کیا ہے کسے بھائی پہ قربان کروں گی

اکبرؑ نے کہا ہم تو ہیں یہ فکر ہے بے جا لاشوں کے لئے خیمے میں آئے شہ والا
دو مسندیں بچھوا کے لٹائے تن زیبا سیدانیوں سے کہنے لگی دختر زہراؑ
جیتا رہے اکبرؑ مجھے بے چین نہ کرنا
زینبؑ کے پسر کہہ کے ذرا بین نہ کرنا

ناگاہ اُنھیں موت کی ہچکی ہوئی آغاز اور سینے سے بھی آنے لگی سانس کی آواز
زینبؑ کی طرف نرگسی آنکھوں کو کیا باز کی عرض اُٹھا لیجئے اب آخری اک ناز
دل سخت نہ فرمائیے گا وقت کرم ہے
اماں تمہیں اپنے علی اکبرؑ کی قسم ہے

زینبؑ کو بھی پیار آگیا رو کر یہ پکاری
مانوں گی کہو اب تو میں لونڈی ہوں تمہاری
دونوں نے کہا آپ سے رخصت ہے ہماری
کھنچتی ہیں رگیں رکتا ہے دم ضعف ہے طاری
پیشانیاں رکھ دو قدمِ شاہِ امم پر
حسرت ہے کہ دم نکلے تو ماموں کے قدم پر

وہ بولیں خوش آئے مجھے ارمان تمہارے
سر رکھ دیئے اُن کے قدمِ شاہ پہ بارے
دونوں نے مَلا پاؤں سے منہ پیار کے مارے
اک بوسہ لیا اور سوئے خلد سدھارے
مرنے کی مہم پاؤں پہ سر کر گئے دونوں
بس ہونٹ تو ہلتے رہے اور مر گئے دونوں

آواز دی زینبؑ نے بس اب سر کو اُٹھاؤ
دم توڑ چکے، ماموں کو واری نہ رُلاؤ
رخصت کیا اللہ کے دربار میں جاؤ
لاشوں سے صدا آئی کہ غصے میں نہ آؤ
اس پیار کی مردوں میں دلیری نہیں ہوتی
پابوسیِ شبیرؑ سے سیری نہیں ہوتی

ہے ہے مرے پیارو مری ہمشیر کے پیارو!
کیوں چُپ ہوئے اِک بار تو پھر ہم کو پکارو
لو ماموں مناتا ہے یہ ملبوس اُتارو
لوتن پہ علمداروں کی پوشاک سنوارو
لو دادا کا منصب تو یہ نانا کا حشم لو
روٹھے تھے عَلَم کے لئے لو ہم سے عَلَم لو

اس نوحے سے سادات میں محشر کا ہوا غُل
خاموش و بیتاب کہ پریشاں ہیں جز و کُل
ہر بند پہ ہے عرشِ معظم کو تزلزل
بس ہے تجھے سرکارِ حسینی سے توسل
مہرِ پسرِ فاطمہؑ ہر ماہ ہے کافی
تنخواہِ توکلتُ علی اللہ ہے کافی

## مرثیہ نمبر ۳

روشن کیا جو حق نے چراغ انتقام کا

بند ۱۵۷

در حالِ حضرتِ مختارِ ثقفی

# سلام

رُخ ہے وہ گلشنِ قدرت کہ بوقتِ گلگشت

دل عنادل کا نہ اِک گُل کی صفا یاد کرے

گر نگہ خضرؑ کی ہو آبِ بقا سے سیراب

پھر نہ وہ ذائقۂ آبِ بقا یاد کرے

چشم وہ چشم کہ نظّارہ کرے اُس کا اگر

نرگسِ باغِ جناں کو نہ صبا یاد کرے

واہ کیا نور ہے، کیا حُسن ہے اللہ اللہ
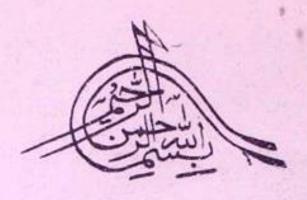
ایسے بندوں کو نہ کیوں جلد خدا یاد کرے

روشن کیا جو حق نے چراغ انتقام کا    دل صرصرِ فنا سے بجھا اہلِ شام کا
اندھیر کچھ گھٹا فلکِ نیلی فام کا    تُلنے لگا سفید و سیہ صبح و شام کا
گُل شمعِ فتح کا صفتِ غُنچہ کھل گیا
مختار کو جہاد کا پروانہ مل گیا

ہمت پکاری ظالموں کے قلب چاک کر    بُوجہل سیرتوں کو خراب و ہلاک کر
اصحابِ بوترابؑ کا دل غم سے پاک کر    احبابِ بولہب کو جلا کر تو خاک کر
عنتر کے ہمسروں کا جُدا تن سے فرق کر
مرحب کی قوم کو چہِ ہب ہب میں غرق کر

ہاں گلشنِ قصاص کو خنجر سے آب دے    ہاں تیر کی زباں سے عدو کو جواب دے
ہاں اُتقیا کو مژدۂ اجر و ثواب دے    ہاں اشقیا کو وعدۂ قہر و عذاب دے
سرسبز برقِ نیزہ سے تخمِ مراد کر
روشن نسیمِ تیغ سے شمعِ جہاد کر

ہمت کا درس تجھ کو سکندر سے چاہیے    جُرأت کا اَخذ مالکِ اشتر سے چاہیے
خدمت کا بادہ کاسۂ قنبر سے چاہیے    لفظِ خلوص کیسۂ بُوذر سے چاہیے
اسلام میں برابرِ سلماں کہیں ہو تُو
اخلاص میں اویسِ قرن کے قریب ہو تُو

یوں خضرِ حکمِ حق جو ہوا اُس کا رہنما لبیک کی سکندرِ طالع نے وہی ندا
سکہ پڑا سفید و سیہ پر جُدا جُدا چاندی دکھائی چاند نے خورشید نے طِلا
بولا قرار کون و مکاں میں بھلا کرے
وہ کیجئے کہ کون و مکاں حق عطا کرے

اور چترِ سر بنے پر و بالِ ہمائے فتح کی زیبِ تن قضا و قدر نے قبائے فتح
رُوح القدس نے چہرے پہ دم کی دعائے فتح شوکت نے غرب و شرق میں کھولا لوائے فتح
یاں تک دراز آرزوئے جنگ ہو گئی
تن پر قبائے ہفت فلک تنگ ہو گئی

دِکھلایا آفتاب نے آئینہ با ادب چار آئینہ بھی اپنا جری نے کیا طلب
دِکھلا کے چار چار پہر اپنے روز و شب بولے یہ پیش کش ہو ہماری قبول اب
اِک دن کا چار آئینہ ہے ایک رات کا
حافظ خدا ہے آٹھ پہر تیری ذات کا

آہن کا خود مرتبہ پارس کا کیوں نہ پائے یہ پیرِ حسینؑ جسے اپنے سر چڑھائے
درجے سر بلند نے یہ خود کے بڑھائے مضمون جس کے پیرِ فلک کے نہ ہات آئے
نازاں ہُوا یہ خود سرِ بے عدیل پر
پھینکی کلاہ فتح نے عرشِ جلیل پر

زیبِ کمر وہ تیغ ظفر کی پئے مصاف جو سرکشانِ دہر کے سر پہ تھی مو شگاف
باندھی جری نے وہ سپرِ آسماں غلاف سورج گہن میں آئے جو ہو اس سے برخلاف
ترکش میں چیدہ چیدہ خدنگ اُس نے بھر لئے
عقرب پئے اقارب شمر و عُمر لئے

وہ دونوں رُخ تھے یا کہ پئے نذرِ شیرِ حق
شمس و قمر لئے تھے زر و سیم کے طبق
لب وہ کہ جن کے رنگ سے گُل ہو عرق عرق
اور کُلّیاتِ غنچہ پریشاں ورق ورق
کیا خطّ و عارض و لب و گیسو سے نام تھا
مختارِ چین و روم و سمر قند و شام تھا

اور نُطق طوطیِ شکرستانِ ذکرِ حق
یا دفترِ مناقبِ حیدرؑ کا اک ورق
تھی وہ زبانِ بلبلِ سدرہ سے ہم سبق
کہتا تھا اُس زباں سے وہ صادق بحرفِ حق
وصفِ علیؑ و آلِ نبیؐ بر زبانِ ماست
گویا زباں برائے ہمیں در دہانِ ماست

ہمدست لاکھ رستمِ دستاں ہوں اُس سے کب
ہاتھ اُس کا تھا وہ ہاتھ کہ جس نے بحکمِ رب
کی بیعتِ امام زبردستوں سے طلب
جو دست بیع اُس سے ہوا درجے پائے سب
چوما قدم تو خلد کے آٹھوں چمن ملے
پہنچا جو ہاتھ پنجے تلک پنجتن ملے

وہ دونوں ہاتھ تھے الفِ انتقام کے
وہ دو الف شریک ازل سے امام کے
ہنگامِ جنگ تیغ و سپر تھام تھام کے
اعدا سے لیں قصاص شہِ تشنہ کام کے
بے اُن کے دادخواہ کبھی معترف نہ ہوں
انصاف لفظ ہو وے جو یہ دو الف نہ ہوں

رگ رگ میں ریشے ریشے میں تھا جوہرِ وفا
پیدا ہوا تو مادرِ مختارؓ نے سُنا
ہاتف نے دی ندا میں پسر پر ترے فدا
اک دن قصاص لے گا یہ بے کس حسینؑ کا
یہ شیفتہ ہے فاطمہؑ کے نورِ عین پر
واجب شفاعت اس کی ہے روحِ حسینؑ پر

حقا کہ جُز فضائلِ مختارِ خوش خصال　　گر ہے کوئی حدیث تقیّے پہ ہے وہ دال
جب رَن میں باغِ فاطمہؑ ہوتا تھا پائمال　　رو کر حسینؑ کہتے تھے اے ربِّ ذوالجلال
باغی تباہ کرتے ہیں گلزار کو مرے
مختار کر قصاص کا مختارؓ کو مرے

سجّادؑ سے یہ چند حدیثوں میں ہے خبر　　محسن ہے اہلِ بیت کا مختارؓ نامور
کیا ہم کو اختیار تھا جب مر گئے پدر　　پوشاکِ ماتم اُس نے بدلوائی سر بسر
لازم ہے دوستانِ حُسینؑ شہید کو
تحسین اُسے کیا کریں لعنت کریں یزید کو

کوفے میں جب کہ آئے تھے مسلمؑ نکو سیر　　بیعت سے اُن کی پہلے ہوا تھا یہ بہرہ ور
ٹھہرا کے یہ قصور بس اس بے قصور پر　　خواہانِ جان و مال تھا مرجانہ کا پسر
آ ہوئے کعبہ رَن میں جب اُمّت کا صید تھا
مختارؓ قید خانے میں کوفے کے قید تھا

واں رَن میں سر حُسینیوں کے ہوتے تھے قلم　　زنداں کے در پہ سر یہ پٹکتا تھا دَم بدم
دیتا تھا کربلا کو ندا وہ اسیرِ غم　　افسوس اے حُسینؑ نہیں اپنے بس میں ہم
کھیتی لُٹی بتولؑ کی دشتِ جہاد میں
سادات آئے مجلسِ ابنِ زیاد میں

ابنِ زیاد بولا کہ مختارؓ کو بلاؤ　　سیدانیوں کے ہاتھ بندھے اُس کو بھی دکھاؤ
لائے تو پوچھا بیوؤں کو کیا دوں سزا بتاؤ　　لو تم بڑے محب ہوا انہیں قید سے چھڑاؤ
ہیں سر برہنہ فکرِ لباس و رِدا کرو
مومن تو ہو حمایتِ آلِ عبا کرو

مُشکیں بندھی تھیں رو کے دلاور نے یہ کہا　　بدلا نہ اِس کا ٗوں تو جیجی کیئو تُو بھلا
کہتے ہیں اُس گھڑی سے وہ رو یا کیا سدا　　زنداں سے بھی چھٹا تو اسیرِ الم رہا
ہر روز یہ دعا تھی کہ روزِ جیا دہو
طالع خدا کے مہر سے صبحِ مراد ہو

مقبول کی خدا نے یہ دیندار کی دُعا　　یعنی یزیدِ نحس نے کی شام میں قضا
عازم قصاص کا ہوا مختارؓ با وفا　　عابدؑ کے آستانے پہ آیا پئے رضا
در پر سُنا کہ بی بیوں میں شور و شین ہے
عاشور سے زیادہ عزائے حسینؑ ہے

زینبؑ کی آ رہی ہے یہ آواز وا اخا　　بانوؑ پکارتی ہے کہ اکبرؑ کدھر گیا
بیمار ایک لڑکی یہ کہتی ہے برملا　　ہے ہے نہ میرے درد کی اب تک ملی دوا
بھولے بہن کو اکبرِؑ عالی خصال بھی
بابا نہ کربلا سے پھرے اب کے سال بھی

القصہ سُن کے آمدِ مختارؓ کی خبر　　در پر امام آئے، حرم سب قریب در
مختار نے قدم پہ جُھکا یا ادب سے سَر　　دل میں جو آرزو تھی کہی ہاتھ باندھ کر
فرمایا مسکرا کے شہِ بے نظیر نے
ہم کو خبر یہ دی ہے جنابِ امیرؑ نے

پھر پشت سے لباسِ مبارک اُٹھا کے ہائے　　مولا نے تازیانوں کے اُس کو نشاں دکھائے
زینبؑ پکاریں بھائی اگر شمر ہاتھ آئے　　سر اُس کا کاٹ لیجیو جیتا نہ جانے پائے
بولی سکینہؑ سب سے وہ ظالم زیاد ہے
اُس کا طمانچہ آج تلک مجھ کو یاد ہے

اُس نے کہا بفضلِ خدا ہوئے گا یونہیں — سُنیو کہ غرقِ خوں ہوئی کوفے کی سب زمیں
سجادؑ سے وداع ہوا پھر وہ اہلِ دیں — آئی ندا بقیع سے مختارؓ آفریں
اب تک دبی ہے جوش مرے شور و شین کا
ہاں انتقام لے مرے بے کس حسینؑ کا

عابدؑ نے اک غلام سے اپنے کیا خطاب — کہتے تھے اِس کو فارسِ ہیجا ابوترابؑ
لے جا مرا فرس، وہ دے آیا اُسے شتاب — غازی چڑھا جو اُس پہ ہوئی فتح ہم رکاب
بیمارِ کربلا کا وہ رخشِ صحیح تھا
صحت کے ساتھ چلنے میں نبضِ مسیحؑ تھا

اُس تیز رَو کو کاہ سے تھی نفرت دَمی — یعنی کہ لفظِ کاہ میں ہے حرفِ کاہلی
گردش سے چرخِ راہ کی جس دم عناں ہلی — حقا ہوائے خلد اُسے کھانے کو ملی
پر یادِ ذوالجناح میں اندوہناک تھا
جیبِ ہلالِ نعل اسی غم سے چاک تھا

رفتارِ گرم سے دلِ سیماب پارہ تھا — ہر قطرۂ عرق سے یہ حسن آشکارا تھا
طوفان پر جہاز، ہوا پر ستارہ تھا — بادل پہ برق آبِ رواں پہ شرارہ تھا
آندھی کی طرح آتا تھا وہ رزمگاہ میں
لیکن چراغ نعل کے روشن تھے راہ میں

دل سے میانِ راہ یہ مختار نے کہا — لے نائبِ حسینؑ سے تو جنگ کی رضا
اب چل پئے زیارتِ مظلومِ کربلا — تو گو کہ باوفا ہے پہ ہے عمر بے وفا
لازم زیارتِ پسرِ بوترابؑ ہے
ہر ہر قدم پہ عمرہ و حج کا ثواب ہے

لکھا ہے کربلا میں جو آیا وہ باوفا پڑھنے لگا زیارتِ قبرِ شہِ ہُدا
بولا لپٹ کے قبر سے روحی لک الفدا اے تشنۂ سقیفہ و صحرائے کربلا
اے فخرِ صد ذبیح و صد ایوب السلام
محبوبِ ذوالجلال کے محبوب السلام

کچھ اپنے سوگواروں کی تم کو خبر ہے آہ؟ زینبؑ تری بہن کفنی پہنے ہے سیاہ
روتی ہے شام سے ترے حجرے میں تا پگاہ اوروں کا قبرِ فاطمہؑ پر حال ہے تباہ
ہمشکلِ مصطفیٰؐ سے یہ کہہ دو مزار میں
صغراؑ کھڑی ہے در پہ ترے انتظار میں

تقدیر میں سکینہؑ نے ماتم جو پایا ہے چھوٹا سا ایک تعزیہ خانہ بنایا ہے
عباسؑ کا علم سرِ منبر لگایا ہے عابدؑ سے روز کہتی ہے غم دل پہ چھایا ہے
بھائی بہن حقوقِ شہِ دیں ادا کریں
تم مرثیہ پدر کا پڑھو ہم بُکا کریں

بہلانے اُس کو آتی ہیں ہمجولیاں اگر کہتی ہے اب نہ کھیلوں گی میں تم میں بیٹھ کر
تم سب ہو باپ والی میں دُکھیا ہوں بے پدر ماتم ہے کربلا کے شہیدوں کا میرے گھر
امّاں ہماری بیوہ ہوئیں بابا مر گئے
رونے کے دن میں کھیلنے کے دن گزر گئے

سمجھانے کو سکینہؑ کے اب آپ جائیے صغراؑ کو خواب میں رُخِ اکبرؑ دکھائیے
کبراؑ ہے بے قرار گلے سے لگائیے روتی ہے ماں کی قبر پہ زینبؑ اُٹھائیے
عابدؑ کی لو خبر کہ بہت ناتوان ہے
بالائے پُشت نیزوں کا اب تک نشان ہے

کانپا ہر ایک نام پہ شبیرؑ کا مزار      اس نے حضورِ قبر دھری تیغِ آبدار
اور عرض کی کہ اے پسرِ شاہِ ذوالفقارؑ      بندھوائیں آپ تیغ تو ہوئے کشودِ کار
اِذنِ جہاد مانگتا ہوں کس اُمید سے
اُس لب سے حکم دو جو کھلا چوبِ بید سے

یہ کہتے کہتے ہوگیا بے ہوش وہ سعید      پر عینِ غش میں دیدۂ باطن کی تھی یہ دید
روضہ میں برجِ قبر سے نکلا ہلالِ عید      اور یا حسینؑ کہہ کے اُٹھے قبروں سے شہید
ہاتھوں پہ سر کٹے شہدا تھے لئے ہوئے
زہراؑ جلو میں بال پریشاں کئے ہوئے

ہے پیشِ پیش فوجِ خدا حُرِّ نامور      باندھے ہوئے بتولؑ کا رومال حلق پر
سردار کے قریب علمدارِ خوش سیر      اصغرؑ کی لاش گود میں شہ کی لہو میں تر
بولا کہ سہل عقدۂ دشوار ہیں مرے
اِتنے، خدا کے شیر، مددگار ہیں مرے

مختار کو حسینؑ نے اُس وقت دی ندا      نانا سلام کہتے ہیں اماں تجھے دُعا
مظلوم کے قصاص کا خواہاں ہے مرحبا      دنیا میں فتح، حشر میں فردوس دے خدا
تحقیق کر کے ناریوں کو نار دیجیو
حیدر کے دوستوں کو نہ آزار دیجیو

پھر شاہ نے خطاب یہ عباسؑ سے کیا      ہاں میرے شیر تُو اسے شمشیر کر عطا
سیفِ خدا نے تیغ اُسے دے کے یہ کہا      سقّائے فوج ہم ترے ہوں گے دمِ دغا
لے تیغ باندھ، ہو تجھے مُلک و عمل نصیب
قبضہ تجھے نصیب اور اعدا کو پھل نصیب

آنکھیں کھلیں کریموں کی لطفِ عمیم سے
کھلتے ہیں جیسے صبح کو غنچے نسیم سے
رخصت ہوا مزارِ امامِ کریم سے
گویا مقامِ طور کا چھوٹا کلیمؑ سے
یوں تیز رو تھا منزلِ مقصد کی راہ میں
جس طرح ذوالفقارِ علیؑ حرب گاہ میں

کوفے میں پھر کے کوچہ بہ کوچہ یہ دی صدا
یارو کوئی شہید ہے بے کس حسینؑ سا؟
جس کی نہ کچھ دیت نہ قصاص اور نہ خوں بہا
اک تن سے خون پنجتنِ پاک کا بہا
ایسا بھی ملتوی کوئی دعوے رہا نہیں
سید کا خوں بہا ہے مگر خوں بہا نہیں

ابنِ ابو ترابؑ کی الفت ہے تم کو خاک!
خاکِ عدا سے گیسوئے زینبؑ کئے نہ پاک
یثرب میں جا کے دیکھو لباسِ حرم ہے چاک
اور کربلا میں حوروں کی ہے آہ دردناک
فوجِ حسینؑ کا ہوا جنگل میں خاتمہ
زینبؑ وطن میں روتی ہے مقتل میں فاطمہؑ

سن آیا کربلا میں فرشتوں کی میں فغاں
ستر ہزار واں مع فطرس ہیں نوحہ خواں
دیکھ آیا غش میں فوجِ خدا کی شکوہ و شاں
رنگیں کفن گلوں میں جراحت سے خوں رواں
اذنِ جہاد مانگا جو رو کر غلام نے
عباسؑ نے تو سیف، رضا دی امام نے

ہاں طالبانِ خونِ حسینؑ آؤ جلد آؤ
مانندِ تیغ جوہرِ مردانگی دکھاؤ
حق تم کو آزماتا ہے تم دل کو آزماؤ
مر دو تو کربلا کے شہیدوں کا رتبہ پاؤ
جس کا عقیدہ پاک ہے وہ کامیاب ہے
اب بھی وہی جہاد کا اجر و ثواب ہے

یہ خُلد ہے یہ میوہ یہ کوثر ہے یہ جناں — یہ حور یہ قصور یہ طوبےٰ یہ بوستاں
یہ جنسِ آبرو ہے یہ بیعانہ نقدِ جاں — یہ گو یہ رزمگاہ یہ چوگاں یہ امتحاں
یہ سر ہے یہ بدن یہ کفن ہے یہ تیغ ہے
شیرِ خدا کے شیروں کو پھر کیا دریغ ہے

یہ سُن کے تازہ دم ہوئے حیدر کے دوستدار — مُردے ہوں جیسے قُم قُمِ عیسیٰ سے ہوشیار
کافور ہفت عضو پہ مَل مَل کے ایک بار — نکلے پہن پہن کے کفن بہرِ کارزار
کوچوں میں یہ ہجومِ خلائق کا حال تھا
سائے کو ساتھ لے کے گزرنا محال تھا

بہرِ جہاد پیروں نے فوراً کیا خضاب — اہلِ شباب سمجھے خزاں موسمِ شباب
کنگنا کسی نے کھول کے باندھی کمر شتاب — مشاطہ کو کسی نے دیا بیاہ کا جواب
کہتے تھے فکرِ عقد نہ خواہش دلہن کی ہے
شادی قصاصِ خونِ شہِ بے وطن کی ہے

زہرا کی لونڈیوں کے عقیدوں کو دیکھنا — بچوں کو لا کے جھولے سے مردوں کو دے دیا
پوچھا جو وارثوں نے تو رو رو کے یہ کہا — دعویٰ انھیں بھی ہے علی اصغر کے خون کا
ظلم و جفائے لشکرِ بے پیر یاد ہے
اصغر کا حلق یاد ہے اور تیر یاد ہے

سب نقش دل سے حیدریوں نے مٹا دیئے — بیٹوں کو اپنے خلعتِ عقبےٰ پنہا دیئے
نوشاہوں کو سلاح عروسوں نے لا دیئے — اور مہر بخش کر یہ سخن بھی سنا دیئے
ظلمِ عدو یہ لکھ لو دلِ پاش پاش پر
اک شب کی بیاہی روئی تھی دولھا کی لاش پر

فوجوں سے اس قدر ہوئی معمور حرب گہ	باقی رہی علم کے کھڑے ہونے کی جگہ
ترتیب میمنہ ہوئی ترکیب میسرہ	قلب و جناح سے ہوئی آراستہ سپہ
کوفہ سلاح پوشوں سے آباد ہو گیا
تختہ زمیں کا بھنغہ فولاد ہو گیا

کیا دوستانِ شاہِ نجف کی کروں ثنا	نازاں تھی جن کے حسنِ عقیدت پہ خود ولا
لشکر میں چار حافظِ قرآں جدا جدا	پڑھتے تھے چار سمت فصاحت سے ہل اتیٰ
جبریلؑ واں فلک پہ خضرؑ یاں زمین پر
دم کرتے ہیں دعائیں سبھوں کی جبین پر

ہاں مومنو! یہ فوج ہی فوجِ امام ہے	مدِ نگہ نظارۂ ہر خاص و عام ہے
ہشیار! جبرئیلؑ کا یاں اہتمام ہے	جاسوسِ عقل و فکر و تصور کا کام ہے
یوں محو ہو کے سیر کرو ان کے اوج کی
آنکھوں میں مثلِ سرمہ پڑے گرد فوج کی

پیر و جواں کھڑے ہیں برابر چہل ہزار	تیر و کماں کی طرح مہیائے کارزار
کہتی ہے روحِ فاطمہؑ حسرت سے بار بار	ہے ہے نہ کربلا میں ہوئے یہ رفیق و یار
جب رَن کا قصد تھا خلفِ بوترابؑ کو
جنّت سے آ کے تھاما انھیں نے رکاب کو

مختار کے غلام ہیں دو صاحبِ ہنر	اک فتح ایک خیر نہیں جن کے دل میں شر
جب ہو غلام فتح تو کیونکر نہ ہو ظفر	پیدا ہے فتح طالعِ مختارِ نامور
اک دیکھتا ہے ایک کے رُخ کو سپاہ میں
مصحف کو ختم کرتے ہیں سب اک نگاہ میں

مطلع

نازل یزیدیوں پہ جو حق کا غضب ہُوا — اجماعِ دوستانِ امیرِ عرب ہُوا
ماتم حسینیوں کا عدالت طلب ہُوا — مختارؓ نامور کو یہ الہامِ رب ہُوا
ہاں بند راہ فتنے کی تیغِ رواں سے کر
ہاں فتح بابِ فتح کلیدِ سناں سے کر

لہرا رہا ہے غازیوں کے سر پہ وہ عَلَم — دامن پہ جس کے نامِ علیِؑ ولی رقم
پھر یہ عَلَم ہے دستِ علمدار میں عَلَم — یا پھر استغاثہ اُٹھا نالۂ حرم
پنجے سے اُس کے چہرۂ خورشید زرد ہے
زینبؑ کا مدِ آہ ہے رُتبے میں فرد ہے

چہرے پہ نوجوانوں کے پیدا خطِ شباب — اِک نقطہ اُن کے خال کا ہے حُسن کی کتاب
دیکھیں جو آئینے میں خط و رُخ کی آب و تاب — جوہر خطِ شعاع ہو آئینہ آفتاب
رُخ پر عرق کو دیکھ کے حیرت بڑی ہوئی
ہے دن کو آفتاب پہ شبنم پڑی ہوئی

رُخ پر ہیں قطرہ ہائے عرق دُرِ آبدار — یا ایک برگِ گُل کے نگہبان ہیں ہزار
خورشید پر ستارے ہیں غلطیدہ بے شمار — یا ماہتاب کے ہیں جگر گوشے آشکار
جس دم ڈھلیں یہ عارضِ پُرآب و تاب سے
سیارے ہوں فلک پہ ثوابت حجاب سے

آنکھوں سے آشکار ہے حلم و حیا تمام — خورشید و ماہ آنکھ چُراتے ہیں صبح و شام
کیا میمِ مردمک کی ضیا میں کروں کلام — شمس و قمر کے دل میں ہے اس میم کا مقام
چشمِ سیہ کا وصف ہے باہر حساب سے
آنکھوں میں چھپتا پھرتا ہے سرمہ حجاب سے

پیشانیوں کا ان کی کہوں کیا جلال و جاہ   تاریک شب میں بھی اگر ان پہ کرو نگاہ
پڑھ لو نمازِ صبح فضیلت کے وقت واہ   خالِ جبیں سفیدے کی جا صبح کا گواہ

ابرو سے تیس شب ہے نظارہ ہلال کا
حدِ حساب ایک ہے یاں ماہ و سال کا

مکتوبِ حسن گردنِ انور بہ تاب و آب   اک مد ہلال اُس کا ہے اک فرد آفتاب
گو ہر طرف پڑا ہے شبِ زلف کا حجاب   لیکن عیاں ہے مطلعِ گردن کی آب و تاب

گردن کا نور گیسوؤں سے آشکار ہے
خورشید نکلا پردۂ شب تار تار ہے

رُخ گلشنِ بہشت ہے غیرت دہِ ارم   نہر اُس میں شیر و شہد کی دنداں و لب بہم
ہے خطِ رُخ وہ خوب کہ لکھیں ثنا جو ہم   اصلاح سے بَری ہو یہ سب نظم یک قلم

کیونکر کوئی نوشتۂ حق کو غلط کہے
جس کو سوادِ خط نہ ہو وہ اُس کو خط کہے

بینی کا کیا قلم ہو رُخ پر ہے عزّ و جاہ   زیرِ قلم ہے حسن کا کشور ازل سے آہ
چہرے کو چاند کہتے ہیں سب صاحبِ نگاہ   بینی ہے بیچ میں کہ الف درمیانِ ماہ

بینی کے وصف لکھنے کی کیوں آرزو نہ ہو
بے اس الف کے لاکھ لکھو آبرو نہ ہو

وصفِ دہانِ تنگ میں عالم کشادہ لب   اک نقطے میں زمانے کا مضموں بھرا ہے سب
انگشت حیف ہے تہِ دنداں کہ ہے غضب   وہ کربلا میں خشکیِ حلقِ شہِ عرب

مرنے پہ منہ کھلا تھا شہِ مشرقین کا
نیزے سے کٹ گیا لبِ بالا حسینؑ کا

دنداں ذرا بھی وقتِ تبسم جو ہوں عیاں مثلِ صدف گہر سے ہو لبریز آسماں
شکّرِ فروشِ مصر حلاوت ہر اک زباں رنگینیِ کلام ہے شیرینیِ بیاں
حیراں لبوں کے نور سے اہلِ کمال ہیں
یہ ہونٹ ہیں کہ زیر و زبر دو ہلال ہیں

موئے کمر کی یہ قدِ گلگوں میں ہے بہار جس طرح لعل سے ہو رگِ لعل آشکار
پٹکے سے اور بھی ہوا یہ نقطہ پیچدار معنی میں عقل و فہم اُلجھتے ہیں بار بار
سادہ ہی نقش رہنے دیا اس مراد کا
کھل جائے گا بندھا ہوا مضمون جہاد کا

قدِ راستی سے سایہ صفت پیروِ امام جا کر حریمِ باغ میں گریہ کریں قیام
اپنا امام جان کے ہر قد کو لا کلام سروِ چمن نماز پڑھیں پشت پر تمام
ارزاں ملے تو مول یہ طوبیٰ کو لیتے ہیں
بیعانہ سدرہ کا الفِ قد سے دیتے ہیں

خوبی و فورِ نورِ بدن کی ہے یہ عیاں کڑیاں زرہ کی ہیں رگِ جاں کی طرح نہاں
جوشے نظر نہ آئے کروں اُس کا کیا بیاں سب کو گماں زرہ کا ہے لیکن زرہ کہاں
صاحب ہنر محب ہیں شہِ ذوالفقار کے
پہنا ہے بر میں تیغوں کا جوہر اُتار کے

ہیں خود وہ کہ جن سے بروجِ فلک ہیں کم ہاتھوں میں یک قلم الفِ تیغ ہیں علم
خطِ شکستِ فرد سے پر کریں رقم دیکھو کمان و تیر بھی ہیں نون والقلم
نورِ سپر کے جلوے سے پُرنور ہے زرہ
یہ طور ہیں تو سورۂ والطور ہے زرہ

حُسنِ سلاح یہ ہے سُنو زور کا بیاں　　پائے شکوہ کوہ پہ رکھیں جو یہ جواں
سُرمہ ہو کوہ چار طرف چشمے ہوں رواں　　چاہیں زمیں بلند کریں مثلِ آسماں
جب کہہ کے یا جنابِ امیرؑ آئیں جوش پہ
مثلِ سپر فلک کو بھی رکھیں یہ دوش پہ

پنجے سے گر یہ کلۂ رستم کو دیں فشار　　دنداں نکل پڑیں صفتِ دانۂ انار
مثلِ زرہ یہ جوہرِ فولاد لیں اُتار　　نعرہ کریں تو کوہ صدا دیں نہ ایک بار
جب یا حسینؑ کہہ کے یہ قبضے کو چوم لیں
یوسفؑ سے مصر لیں تو سکندر سے روم لیں

ہمت یہ ہے جو زر نہ ہو یہ سر عطا کریں　　جرأت یہ ہے کہ لاکھوں سے تنہا وغا کریں
طلعت یہ ہے کہ ذرّے کو شمس الضحیٰ کریں　　قدرت یہ ہے کہ شمع سے شعلہ جدا کریں
دشمن اگر فلک پہ بھی وقتِ جدال جائے
تیغ ان کی آسمان پہ مثلِ ہلال جائے

ہو آگ سرد خوف سے یہ گرم ہوں اگر　　لوہا ہو موم سنگ ہو پانی دمِ نظر
آہستہ پنجہ رکھ دیں جو دشمن کے پنجے پر　　در آئے صاف پنجے میں یوں پنجہ سر بسر
پھر سوزنِ خرد کو نہ یارا رفو کا ہو
دستانہ ان کے ہاتھ کا پنجہ عدو کا ہو

مرکب عراقی و عربی رشکِ حورِ طور　　یکساں ہر ایک راہ ہے ان گھوڑوں کے حضور
دریا و کوہ و پست و بلند و قریب و دور　　چل پھر کا امتحاں جو کریں صاحبِ شعور
غصے سے یاں تلک یہ ضعیف و نزار ہوں
تاگے کی طرح سوئی کے ناکے سے پار ہوں

بال اِن کے شہپرِ ملک الموت مُو بمُو ۔۔۔ دِ جمع ان سے دوست، پریشاں مگر عدو
ہوں قطرہ زن تو چرخ پہ کر لے ہما وضو ۔۔۔ محرابِ نعل میں رہے سجدے کی آرزو
بے بال و پر مثالِ شرر اُڑتے پھرتے ہیں
بَن بَن کے بجلیاں صفِ دشمن پہ گرتے ہیں

جلّادِ کربلا کے ہیں موجود اُس طرف ۔۔۔ خولی و شیث و ابنِ ربیعیِ ناخلف
وہ یا یزید کہتے ہیں، یہ یا شہِ نجف ۔۔۔ تیغیں اُٹھی ہوئی نظر آتی ہیں صف بصف
کس پہ جفا و ظلم کا واں خاتمہ نہیں
ہاں بہرِ ذبح اک پسرِ فاطمہؑ نہیں

گو پال آہنی لئے اک سمت بدگہر ۔۔۔ بھالے سنبھالے دوش پہ اک طرف نیزہ ور
اک سُو لئے کمندوں کے حلقے زبوں سیر ۔۔۔ تھے اپنے اپنے غول میں وہ غول سربسر
گرزِ گراں تھے بعض گراں سر لئے ہوئے
بعضے سپرِ صارم و جمدھر لئے ہوئے

وہ رستمانِ حرب عراق و عرب کے یَل ۔۔۔ وہ ٹولیاں سواروں کی وہ پیدلوں کے دَل
وہ ڈانڈ پہ چمکتے ہوئے برچھیوں کے پھل ۔۔۔ سریاں وہ گول گول وہ پیکان چوپہل
اُڑنا وہ بیرقوں کا لچکنا نشانوں کا
بَل کھانا رایتوں کا دمکنا سنانوں کا

تیشے لئے سواروں کے ہمراہ خیل تاش ۔۔۔ ہوں جن کے دستِ جور سے کہسار پاش پاش
بدخواہ و بدسرشت و بدآئین و بدقماش ۔۔۔ جمّالوں کی وہ صوتِ حُدی سامعہ خراش
محمل سے تھی کسے ہوئے آنچل ہوائے تند
ناقے تھے یا ہوئی تھی متشکّل ہوائے تند

کوسوں تلک بھتے دامنِ جنگل میں کینہ خواہ　　کو تہہ ہوئی تھی وسعتِ صحرا پئے سپاہ
بھیڑ اس قدر کہ پیکِ نظر کو ملے نہ راہ　　فکر و قیاس و وہم جہاں جا کے ہوں تباہ
ہمراہ اُن خبیثوں کا رہبر مگر ہُوا
ناری دخانِ شعلہ بنے جب گزر ہوا

مختار نعرہ زن تھا سوئے لشکرِ گراں　　ہاں بہرِ حرب و ضرب بڑھو کھول کر نشاں
نکلا اُدھر سے مُرّہ ظالم لئے سناں　　یہ وہ تھا جس نے مارا تھا اکبرؑ کو نوجواں
یاں سے یتیمِ مالکِ اُشتر رواں ہُوا
گویا کہ حلقِ کفر پہ خنجر رواں ہُوا

حشمت ابد ابد تھی تو رونق ازل ازل　　ہستی پکارنے لگی ہر سُو اجل اجل
قالب کا روح کو تھا اشارہ نکل نکل　　بولی زمین گاڑ زمیں سے سنبھل سنبھل
ہاں رن میں آمد آمدِ مردِ دلیر ہے
یہ شیرِ کردگار کے شیروں کا شیر ہے

مُرّہ نے وہ رجز پڑھا جس سے ہوئے وہ غش　　بولا شقی میں قاتلِ اکبرؑ ہوں شیر وش
یہ بولے ہم ہیں فدیۂ ساداتِ فاقہ کش　　جن کے عزیز رَن میں مُوئے کہہ کے العطش
اژدر لقب دیا ہے مجھے کردگار نے
بخشی ہے تیغ تیغِ شہِ ذوالفقار نے

ازرق جو تیری فوج میں تھا فخرِ روم و شام　　نام آوروں کی تیغوں پہ کندہ تھا جس کا نام
رہتا تھا محوِ ضربِ شجاعوں سے صبح و شام　　اور نام اُن کے لکھے تھے اک فرد پہ تمام
باندھا تھا شانے پر وہ نوشتہ غرور سے
کم جانتا تھا زورِ سلیماں کو زور سے

اک دفعہ خود روم کیا اُس نے زیبِ سر
اور زیبِ جسم کی زرہِ مصرِ سر بسر
چار آئینہ حلب کا سنوارا اِدھر اُدھر
لٹکا لیا کمانِ کیانی کو دوش پر
کٹے کی ڈھال رُخ پہ اُمیدِ نجات میں
ایک تیغِ ہند زیرِ رکاب ایک ہاتھ میں

جنبش میں آیا کوہ کی صورت میں وہ شریر
گردش میں لایا نیزے کو مانندِ چرخِ پیر
رہوارِ مغربی پہ چڑھا بہرِ دارو گیر
زرّیں کمر غلام لیے سب کمان و تیر
حیران اُس کی دید سے ہر اک جواں ہُوا
لشکر سے، یا معاویہ کہہ کر رواں ہُوا

جا کر حضورِ ابنِ حسنؑ اُس نے دی ندا
ازرق مرا خطاب ہے مشہور جا بجا
اے طفلِ جنگ جو ترا نام و نسب ہے کیا
فرمایا نام قابضِ ارواح ہے مرا
ہنگامۂ حیات کو اب فوت جانیو
اپنے لیے مجھے ملک الموت جانیو

یہ کہہ کے اُس لئیمِ ازل پر کیا جو وار
ابرو کی ب کو دو کیا دالِ دہن کو چار
اللہ رے آتشِ دمِ شمشیرِ شعلہ بار
ازرق کی تیغ پر جو پڑا عکس ایک بار
مثلِ سپند جوہرِ شمشیر اُڑ گئے
رن کی زمیں سے اخترِ سیارہ مڑ گئے

کیا کاٹنے میں آبِ دمِ تیغ تیز تھا
تیزاب سے بھی تیز بوقتِ ستیز تھا
رہوار بے حواس دمِ جست و خیز تھا
پر لنگ ان کے ہاتھ سے پائے گریز تھا
پٹکا پکڑ کے لے گئے یوں اُس کو زین سے
وہ زین سے جُدا ہوا مرکب زمین سے

ہم میں بھی اُنہیں کے کرم سے یہ سب ہنر      سُن ہو گیا یہ سُنتے ہی سرہنگِ خیرہ سر
چھینے سے ہاتھ اُٹھا کے لگائی سناں مگر      غازی نے وار خالی دیا رخش پھیر کر
پھر نیزہ کاٹا تیغ سے یوں ایک ضرب میں
اک نصف شرق میں گرا اک نصف غرب میں

نیزے کے بدلے نیزہ لگایا جو دَوڑ کر      شمعِ سناں کا ہو گیا فانوس اُس کا سر
پروانہ وار جلنے لگے مُرغِ جاں کے پر      بولے گرا کے آبِ دہن اُس کی ریش پر
دوزخ میں جا یزید کی خدمت کے واسطے
دُنیا میں تیرا نام ہے لعنت کے واسطے

تنہا اِدھر تھے آپ ہزاروں شقی اُدھر      اِس پر نہ تھا ہراس زہے دل خوشا جگر
چلتی تھیں برچھیاں کبھی تیغیں کبھی تبر      سب کو جواب دیتی تھی اِک تیغِ شعلہ وَر
پھرتی تھی جبکہ ضربِ عدو روک روک کر
دو کرتی تھی ہر ایک کو پھر ٹوک ٹوک کر

پڑ جس شقی پہ عکسِ حسامِ ظفر گرا      دو ٹکڑے ہو کے نصف اِدھر نصف اُدھر گرا
سائے کی طرح پاؤں پہ سر دوڑ کر گرا      غل تھا زمیں پہ کفر و ضلالت کا دَر گرا
جب وقتِ ضرب ہاتھ میں شمشیر پھر گئی
مالک کی سب کی آنکھوں میں تصویر پھر گئی

تن سے علیحدہ ہو گئیں تیغیں مع کمر      قرصِ سپر کے ساتھ اُڑے تیر تیز پر
بکتر زرہ کے ساتھ کٹے ہو کے خوں میں تر      چِلّوں کے ساتھ ہاتھ تو سپر کے ساتھ سر
رایت سناں کے ساتھ جھکے کانپتے ہوئے
پرچم گرے پھریروں سے مُنہ ڈھانپتے ہوئے

اک منہ کے دو منہ آئے نظر وہ صفائے تیغ
نا ہیں تھیں یا دو ابروئے جنگ آزمائے تیغ
جوہر تھے یا کہ خندۂ دنداں نمائے تیغ
وہ چم وہ خم وہ باڑھ وہ بانکی ادائے تیغ
زخموں کے گل کھلے جو وہ گلگوں قبا چلی
دل پس گئے جدھر کو وہ نازک ادا چلی

پڑھتی ہوئی زباں سے نادِ علی پھری
تعزیر اہلِ شام کو دی، جان لی پھری
سینوں میں اور دلوں میں خفی اور جلی پھری
کس کس ادا و ناز سے اٹھی چلی پھری
دامانِ دشت، خون سے گلرنگ ہو گیا
بھاگا دو اسپہ کوئی تو چو رنگ ہو گیا

وہ دم کس اس کا اور وہ چم خم وہ آب و تاب
آفت کی باڑھ، قہر کا کاٹ اور غضب کی آب
جس ناب سے کہ زہرۂ رستم ہو خونِ ناب
دریائے تیغ ہر پلِ محشر کا تھا جواب
دریا چڑھا وہ خوں کا کہ پیراک ڈر گئے
نالوں کے پل پہ سر بدنوں سے اتر گئے

بسمل پڑے تھے رن میں کہیں کہہ کہیں پہ مہ
نیزوں کے بند، قرصِ سپر، حلقۂ زرہ
کھولی اجل نے ناخنِ تدبیر سے گرہ
افتادہ خاک پر کہیں سپر کہیں پہ زہ
جمدھر کہیں، عمود کہیں، برچھیاں کہیں
ترکش کہیں، خدنگ کہیں اور کماں کہیں

شبیرؑ کے غلاموں سے کہتے تھے اشقیا
تم کیا ہو؟ ہم پہ در نہ ہوئے شاہِ دوسرا
ہم نے قلم کیا سرِ فرزندِ مرتضیٰؑ
ہم نے رسولؐ زادیوں کی چھین لی قبا
زندہ خدا کرے اگر ابنِ بتولؑ کو
خنجر کا ٹیں بوسہ گاہِ جنابِ رسولؐ کو

اصغر جو زندہ ہو تو ابھی تیر پھر لگائیں ۔ زخمی کریں جگر کو جو اکبرؑ کا سینہ پائیں
شانے امام حسینؑ کے بازو کے کاٹ لائیں ۔ مقدور ہو تو بلوے میں سادات کو پھرائیں

منظورِ قتلِ عام کی اب سیر ہے تمہیں
شر ہم سے کرنے آئے ہو کچھ خیر ہے تمہیں

دیتے تھے یہ جواب غلامانِ مرتضیٰؑ ۔ ہاں یہ غرور ہے تمہیں اے لعنتِ خدا
واں رحم تھا، کرم تھا، مروت تھی، صبر تھا ۔ جتنا خدا کا حکم تھا اُتنا ہر اک لڑا

چمکی تھی تیغ جب کہ شہِ کم سپاہ کی
کس نے دُہائی دی تھی رسالت پناہ کی

خیر اُن کی اُن کے ساتھ شجاعت تھی یا کرم ۔ اب آج اُس طرح سے لڑو تم تو جانیں ہم
ہے خونِ ناحقِ شہدا کی ہمیں قسم ۔ تم کو بھی ماریں بچوں کے سر بھی کریں قلم

کھانا ہمیں حرام ہے پینا حرام ہے
لیکن حلال خونِ عدوئے امام ہے

اک دن میں دیکھ لیجیو کس کس کا خوں بہا ۔ کس کس کی عورتیں پھریں کوچوں میں بے ردا
سب کچھ یہ ہم کریں گے مگر وا مصیبتا ۔ دل سے مٹے گا داغ نہ زینبؑ کی قید کا

کونین ہوں جو قتل تو راضی خدا نہ ہو
یعنی حسینِ فاطمہؑ کا خوں بہا نہ ہو

جب خونِ ناحقِ شہدا جوش زن ہوا ۔ اور انتقام کا تر و تازہ چمن ہوا
مختار موردِ مددِ پنجتن ہوا ۔ محوِ قصاصِ قتلِ شہِ بے کفن ہوا

کوفہ سلاح پوشوں سے آباد ہو گیا
تختہ زمیں کا بیضۂ فولاد ہو گیا

آیا اُدھر سے جب ورقہ جنگ کو اِدھر
قبضے میں تیغ سطر تھی اور نقطے کی سپر
اس نامور نے تیغ کے ڈورے سے سربسر
مسطر پئے رقم کیا ورقہ کے جسم پر
تنخواہِ زخم دے کے دل افسردہ کر دیا
ورقہ کا چہرہ فرد برآوردہ کر دیا

بولی اجل کہ ٹکڑے برابر ہوئے ہیں چار
پر بے دلیل عقل کو آیا نہ اعتبار
رگ رگ کو عضو عضو کو اُس نے کیا شمار
رگن ڈالے موئے کاسہ سر بھی سب ایک بار
کیا ہاتھ تھا تلا ہوا اُس خوش خصال کا
ٹکڑوں میں سر کے فرق نہ تھا ایک بال کا

اسحاق نام آ کے ہوا پھر تو رزم خواہ
دُرّہ اسی نے مارا تھا بنتِ علی کو آہ
تیغِ سفید دوش پہ رکھے تھا روسیاہ
غازی نے ہاتھ زیرِ بغل سے بڑھا کے واہ
یوں نوکِ تیغ کھینچی کہ غش وہ بھی کر گیا
قبضہ تو ہاتھ میں رہا اور پھل اُتر گیا

تھی طرفہ بے خودی کہ نہ اِن پر ہوا گماں
سمجھا کسی نے پُشت پہ کی دُزدیِ نہاں
دیکھا قفا کو تیغ کا پھل تھا وہاں کہاں
پر تیغ ابنِ مالکِ اشتر پڑی یہاں
رُخ تو اُدھر تھا فرق جسد پر اِدھر نہ تھا
واں دیکھا پھل نہ تھا جو مڑا یاں تو سر نہ تھا

آ کر دغا طلب ہوا پھر حنا ز ن عمر
نام اُس کا درہمی تھا سیہ قلب و بدسیر
شکلِ فلوس تن پہ زرہ آتی تھی نظر
تیغ اِن کی مثلِ سکہ ہوئی اُس پہ کارگر
یوں تیغ خوردہ ہو کے زمیں کے تلے گیا
گویا چُرا کے دُزدِ اجل اُس کو لے گیا

لکھا ہے تہ نشیں ہوا اسفل مثالِ دُزد ۔۔۔ مُردہ نہ پایا ڈھونڈ پھرے گو بزرگ و خُرد
تحت الثریٰ کو قہرِ خدا نے کیا سپرد ۔۔۔ تھا درہمی زمیں نے کیا اُس کو خورد بُرد
قارون کے خزانہ میں وہ تیرہ دِل گیا
یہ درہمی بھی درہموں میں جا کے مل گیا

آئی ندا علیؑ کی کہ شاباش میرے شیر ۔۔۔ مختارؓ بولا ایدک اللہ اے دلیر
اب ہم لڑیں گے دم لو وغا کو ہوئی ہے دیر ۔۔۔ تم سیر ہو گئے خون سے اِن کے نہ بندہ سیر
ہاں بڑھ کے کیا ہٹو کہ علیؑ کے غلام ہو
سقّے کو بھیج دوں تم اگر تشنہ کام ہو

بولا وہ مُڑ کے پیاس تو ہے پر نہیں ہراس ۔۔۔ سقّہ کھڑا ہوا ہے سکینہؑ کا میرے پاس
کہتے ہیں پانی پی لے جو تجھ کو لگی ہے پیاس ۔۔۔ آقا کو میرا دھیان ہے آقا کو میرا پاس
پانی کا نام زہر سے اس دم زیادہ ہے
وہ کربلا کا پیاسا بھی کچھ تم کو یاد ہے

ناگاہ اُس طرف سے کماندار اک بڑھا ۔۔۔ اُستاد اپنی فن میں تھا وہ بانیِ جفا
سوفار لب کو وا کئے دیتے تھے بد دُعا ۔۔۔ چلّہ کماں نے باندھا تھا جلد اس کی ہو قضا
بھاگا لگا کے تیر وہ تیرِ رواں کی شکل
غازی نے بڑھ کے کھینچا گریباں کماں کی شکل

تیغ اُس نے کی حوالہ رُو جلد کھینچ کر ۔۔۔ وہ آنکھ پر پڑی پہ ہوئی کچھ نہ کارگر
ابرو کی تیغ چشم کو جیسے نہ دے نظر ۔۔۔ غازی نے زہ کماں کو کیا اور کہا ٹھہر
اِک جنبشِ مژہ میں اُسے کور کر دیا
پلکوں کی طرح تیروں سے آنکھوں کو بھر دیا

جب ایک ایک وَر نہ ہُوا بانیِ جفا
باہم دُہل بجاتے بڑھے بنا رہے اشقیا
طبلِ خروج یاں بھی بجا پھر تو جا بجا
لشکر سے لشکر آ کے غرض راہ میں بلا
ناحق گروہِ ظلم جو شیعوں سے لڑتا تھا
خونِ گلو اُنھیں کا گریباں پکڑتا تھا

میداں میں فوج لڑتی تھی باہم اِدھر اُدھر
افسر تھا اُن کا رد کشِ مختارِ نامور
دونوں کا یوں مقابلہ جس طرح خیر و شر
گہہ دُور، گاہ پاس، گہے وقفۂ ہنر
مل کر کبھی سپر سے سپر منہ کی کھا گئی
لڑ کر کبھی سناں سے سِناں لڑکھڑا گئی

آیا نہ اُس کی فوج سے کوئی پئے مدد
اک دُو کے بیچ میں نہیں جیسے کوئی عدد
مُہرِ سپر کی تیغ نے مانی نہ کچھ سند
جس طرح خار سے سپر آبلہ ہو رد
بل رشتۂ کمر کی گرہ سے نکل گیا
چھِن چھِن کے دل کا زور زرہ سے نکل گیا

سٹ پٹا کے وہ تو بھاگ گیا صورتِ شرر
مختار سوئے فوج پھرا سینہ تان کر
انگشتری کی طرح سے سرہائے اہلِ شر
نیزے کی پور پور میں آنے لگے نظر
ہر چشم میں سناں یہ چبھوتا تھا خشم میں
پُتلی نہ مثلِ دیدۂ سوزن تھی چشم میں

کھینچا بغل میں تنگ زرہ پوش کو اگر
کڑیاں رگوں کی طرح چُبھیں تن میں سر بسر
اور سر میں ضربِ مُشت لگائی جو دوڑ کر
نکلا مثالِ آبلہ تلوے سے خود سر
اک دم میں خونِ فوج کے دریا رواں ہوئے
کیا یسفک الدماء کے معنی عیاں ہوئے

شامی کو روزِ حشر کا نقشہ دکھا دیا — رُومی کے دل سے رُتبۂ قیصر بھلا دیا
مصری کو زہرِ خنجرِ ہندی پلا دیا — کوفی کو کافِ مرگ کا مرکز بنا دیا
اہلِ حلب تھے شیشہ صفت چُور تیغ سے
زنگی کو مثلِ زنگ کیا دُور تیغ سے

غازی تھے محوِ رزم لئے تیغ اور سپر — پیدا ہلالِ فتح بھی تھا اور شبِ ظفر
کٹ کر نشان اُن کے گرے تھے اِدھر اُدھر — انبارِ نیزہ و سپر و تیغ و خود و سر
تھا شورِ الحذر فلک بے دریغ سے
دل چاک تھا زمیں کا چکا چاک تیغ سے

مختار کہتا تھا کہ بروحِ ابو ترابؑ — ڈوبے گی جب تلک نہ لہو سے مری رکاب
میں خانماں کروں گا ستمگاروں کا خراب — کی شیعۂ علیؑ کی دعا حق نے مستجاب
خون آکے اُس کے پاؤں پڑا قتل گاہ میں
یعنی کہ بس کوئی نہیں باقی سپاہ میں

مختارِ نامور نے کیا سجدۂ خدا — قاتل جو کچھ رہے تھے اسیر اُن کو کر لیا
شمر و سناں تھے حرملہ تھا ابنِ سعد تھا — کی بزمِ عیش صبح کو ایوان میں بپا
جلوہ زیادہ ہو گیا بزمِ مُراد کا
دو عیدیں تھیں کہ آیا سر ابنِ زیاد کا

سب قاتلوں کو بزم میں بُلوا کے یہ کہا — کیوں آہِ فاطمہؑ کا اثر آج تو کھُلا
پھر حرملا کو تودہ کیا تیرِ عدل کا — اہلِ خطا پہ چلنے لگے تیرِ بے خطا
تلوار سے پیامِ اجل بر ملا دیا
پھر بوریئے میں رکھ کے بدن کو جلا دیا

ناری ہوا جو خاک تو دی عذل نے ندا — بس آج سُرمہ دیدۂ انصاف کو ملا
پر خاک ہونے پر بھی صدا تھی جلا جلا — اور سر کیا عمر کا بھی دینداروں نے جُدا

دوڑا کے گھوڑے لاش پہ سب حرف زن ہوئے
پامال اُس کے حکم سے شہ دو ڈتن ہوئے

تھرایا شمر دیکھ کے یہ حالتِ عمر — سب نے گرایا پشت بخاک اُس کو کھینچ کر
اک سنگ لاکے چھوڑ دیا اُس کے سینے پر — رویا شقی تو بولا یہ مختارِ خوش سیر

خاموش، استغاثہ نہ اے بدنہاد کر
وہ بیٹھنا حسینؑ کے سینے پہ یاد کر

زینبؑ خدا کے واسطے دیتی رہی اور آہ — بیٹھا رہا تو سینے پہ سید کے بے گناہ
منت سکینہؑ کرتی رہی وا محمداہ! — کاٹا کیا تو چین سے احمدؐ کی بوسہ گاہ

انجام ہے یہ خونِ شہِ بے گناہ کا
دیکھا اثر جنابِ رسالتؐ کی آہ کا

یہ کہہ کے سر اُتار لیا تن سے ایک بار — پھر تو سناں پہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
غل تھا یہ ہے وہ دشمنِ مولائے بے دیار — بالشت بھر جگہ سے ہوا جس کا نیزہ پار

شہ رگ جو کاٹی تیغ سے اُس رُوسیاہ کی
مردود نے تو آہ کی، ہاتف نے واہ کی

ہنگامۂ قصاص تھا برپا کہ ناگہاں — مسلمؑ کے اک یتیم کا قاتل ہوا عیاں
تھامے ہوئے تھا مرکبِ زخمی کی وہ عناں — آنسو تھے دونوں آنکھوں سے اُس گھوڑے کے رواں

راکب کی یاد، دیکھ کے مرکب کو آ گئی
وہ آہ سب نے کی کہ زمیں تھرتھرا گئی

ناگاہ ایک بچہ وہاں آیا رشکِ ماہ — مُنہ بھولا بھولا رُخ پہ سیادت کا عز و جاہ
پر ٹوپی اُس کے سر پہ نہ کُرتا گلے میں آہ — گیسو پہ خاک ڈالے ہوئے مثلِ دادخواہ
فاقے سے تھا یہ حال کہ جان اُس کی جاتی تھی
آواز استخواں سے لرزنے کی آتی تھی

قاتل کے گرد جمع تھے مومن اِدھر اُدھر — مختار تک نہ جا سکا وہ غیرتِ
فاقے سے گر کے رونے لگا در پہ بیٹھ کر — مختار بولا کون یہ ہے لاؤ تو خبر
سب نے کہا غریب سا اک لڑکا روتا ہے
جرأت نے دی ندا کہ یہ مُسلم کا پوتا ہے

محفل میں اُس کو لا کے مخاطب ہوئے بشر — سید تمہارا نام؟ کہا اُس نے بے پدر
بے کس، یتیمِ مسلمِ بے کس کا ہوں پسر — مختار بولا سید نا آئے تم کدھر
رو کر کہا کہ قوت میں یاں تک خلل پڑا
فاقوں کے مارے بھائی میں گھر سے نکل پڑا

محفل میں سب نے نوحہ کیا وا محمداہ — یہ حال مصطفیٰ کے یگانوں کا آہ آہ
مختار نے پہنایا اُسے کُرتا اور کلاہ — وہ بولا میری ماں بھی ہے عریاں خدا گواہ
مختار نے دراہم و خلعت منگا دیئے
سید نے چھوٹے ہاتھ دعا کو اُٹھا دیئے

مختار نے کہا کہ طلب کچھ تو اور کر — بولا دکھا کے باپ کے قاتل کو وہ پسر
بس یہ ہے آرزو کہ ہمیں کاٹیں اس کا سر — اِک نیمچہ منگا کے دیا اُس نے جلد تر
فاقوں سے گو نقیہ بہت وہ یتیم تھا
پر نیمچہ جو مارا تو قاتل دو نیم تھا

پھر نیزوں پر علَم کے مختار نے وہ سر ۔۔۔ اور کشتیوں میں اُس نے دھرا رخت و مال و زر

بولا یہ دوستانِ علیؑ سے وہ خوش سیر ۔۔۔ لے جاؤ ہے یہ ہدیۂ سجّادِ نامور

کہنا کوئی حسینؑ کا قاتل رہا نہیں

پر بے حسینؑ جینے کا اپنے مزا نہیں

زینبؑ کو میری سمت سے یہ دیجیو پیام ۔۔۔ اے سیدہ، حسینؑ کا تو کب ہے انتقام

پر قاتلوں کو قتل کیا میں نے لاکلام ۔۔۔ رختِ سیہ اُتار و اب اے خواہرِ امام

آئی ندا، وہ سوگ نہ حاشا اُتارے گی

زینبؑ اُتارے گی تو نہ زہراؑ اُتارے گی

لے کر چلے یہ ہدیہ غلامانِ بوتراب ۔۔۔ مثلِ نزولِ رحمتِ حق پہنچے واں شتاب

اُس دم مگر ہوئے درِ عابدؑ پہ باریاب ۔۔۔ جب چاشت کھا رہے تھے امامِ فلک جناب

بچّوں پہ ہو نہ فاقہ، یہ مطلب تمام تھا

اُن کا تو ماحضر غمِ قتلِ امام تھا

فضہ کو مومنوں نے بُلایا قریبِ در ۔۔۔ وہ سر بھی، کشتیاں بھی، اُسے سونپیں سر بسر

مختار کا پیام کہا ہاتھ باندھ کر ۔۔۔ فضہ وہ ہدیے لے گئی زینبؑ کو دی خبر

دن آج تو خدا نے دکھایا مراد کا

بی بی مبارک! آیا سر ابنِ زیاد کا

حجرے میں اپنے بھائی کے وہ کرتی تھی بُکا ۔۔۔ ۔۔۔۔ کچھ تو اُس نے سُنا اور نہ کچھ سُنا[1]

بولی مبارکی کسے دیتی ہے کیا ہوا ۔۔۔ اُٹھ آیا کیا مزار سے دلبندِ مصطفےٰ

کیا جیتا قتل گاہ سے اکبرؑ پھر آ مرا

کیا گھٹنیوں مدینے میں اصغرؑ پھر آ مرا

[1] متبادل مصرع: آہ و فغاں کے دھیان میں اُس نے نہ کچھ سُنا۔ (صفدر حسین)

وہ بولی قاتلوں کے سر آئے جُدا جُدا　　زینبؑ پکاری آئے تو آنے دے مجھ کو کیا
ایسے شقی اگر ہوئے بے سر ہزار ہا　　داغِ حسینؑ مٹتا ہے دل سے کہیں بھلا
محشر تلک رہے گا یہ ناسور سینے میں
ہے ہے حسینؑ قبر میں زینبؑ مدینے میں

مرجانہ کے پسر کا جو عابدؑ نے دیکھا سر　　بولے حرم سے قدرتِ حق پر کرو نظر
اِک دن وہ تھا کہ کھاتا تھا کھانا یہ بدسیر　　جب شمر لے گیا تھا سرِ شاہِ بحر و بر
بارہ گلے بندھے ہوئے اک ریسمان سے
ہم تم کھڑے تھے پیچھے اسیروں کی شان سے

اور ایک روز یہ ہے کہ ہم کھاتے ہیں غذا　　سر اُس کا میرے سامنے یہ ہے دھرا ہُوا
سجدے کو گر پڑے حرمِ شیرِ کبریا　　آئیں گھروں سے عورتیں سُن کر یہ ماجرا
ہر سر کی سمت کو یہ حرم کا اِشارا تھا
لوٹا تھا اُس نے، اِس نے ہمیں نیزہ مارا تھا

دیکھا سکینہؑ نے جو سرِ شمرِ بدصفات　　گرنے لگی وہ سہم کے، صغراؑ نے تھامے ہات
بولی بہن ڈرو نہ، ہے ڈرنے کی کون بات　　اُنگلی اُٹھا کے آہ پکاری وہ نیک ذات
کیونکر نہ میں ڈروں کہ بہت صدمے پائے ہیں
صغراؑ ہمیں اسی نے طمانچے لگائے ہیں

عابدؑ سے یہ کہا کہ ذرا مجھ کو دو یہ سر　　لے جاؤں اس کو قبرِ رسالتؐ پناہ پر
اور قبر کو ہلاؤں کہ یا سیدالبشرؐ　　حاضر ہے شمر جس نے لیا ہے مرا گہر
پوچھو تو کیا جواب یہ دیتا ہے آپ کو
مارا ہے کس خطا پہ سکینہ کے باپ کو

ناگہ کیا امام نے اُن کشتیوں کو وا
دیکھا سفید کپڑوں کو اور آگئی حیا
رو کر زنانِ ہاشمیہ سے یہ پھر کہا
سمجھاؤ تم پھوپی کو کہ بس ہو چکی عزا

حجرے سے باہر آتی ہیں، نے پانی پیتی ہیں
اعجاز ہے حسینؑ کے غم کا کہ جیتی ہیں

کہنا مری طرف سے کہ اے صاحبِ عزا
شبیرؑ کی عزا کا تمہیں اجر دے خدا
یثرب میں اب تلک کوئی دولھا نہیں بنا
سُرمہ زنانِ ہاشمیہ نے نہیں دیا

یہ تو وہ غم ہے حشر تلک خلق روئے گی
پر اب مدینے والوں کو تکلیف ہوئے گی

لائیں جو کشتیاں سوئے زینبؑ وہ نوحہ گر
دیکھا زمیں پہ بیٹھی ہے تنہا جھکائے سر
نامِ حسینؑ لکھتی ہیں اُنگلی سے خاک پر
لے کر بلائیں حرفوں کی ملتی ہیں چشم پر

سب گرد بیٹھیں رونے کو منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
قبرِ رسولؐ رہ گئی بس کانپ کانپ کر

جب رو چکیں تو کشتیوں کو کھول کر کہا
یہ کپڑے سب ہیں ہدیۂ مختارِ باوفا
ہم صدقے سوگ اُتار دیئے اے بنتِ مرتضیٰؑ
اب تک کسی نے ہم میں سے شانہ نہیں کیا

ہم کپڑے پہنیں آپ جو وعدہ جو کیجیے
ڈیں سُرمہ ہم بھی آپ اگر سرمہ دیجیے

زینبؑ پکاری آہ کہاں جاؤں اے خدا
لوگو! مجھے نہ تنگ کرو مہرِ مصطفےٰؐ
گھر چھوڑ دوں اگر مرے رونے پہ ہو خفا
جنگل میں جا کے بھائی کی خاطر کروں بکا

مرتے ہوئے بھی سوگ نہ ہرگز بڑھاؤں گی
فردوس میں یہی کفنی پہنے جاؤں گی

کیا اِک فقط حسینؑ برادر کا سوگ ہے — اے صاحبو! بتولؑ کے گھر بھر کا سوگ ہے
اکبرؑ کا سوگ ہے علیؑ اصغر کا سوگ ہے — کس کا اُتاروں سوگ بہتّر کا سوگ ہے
اِک اِک برس جو سوگ کی اُن کے ہوس کروں
ماتم مسافروں کا بہتّر برس کروں

شادی تمہیں جہاں میں برابر نصیب ہو — عقدِ پسر عروسیِ دُختر نصیب ہو
زینبؑ کو ماتمِ علی اکبرؑ نصیب ہو — یہ بوریائے سوگِ برادر نصیب ہو
مرتی ہوئی میں گنجِ شہیداں پہ جاؤں گی
جن کا ہے سوگ قبر پہ اُن کی بڑھاؤں گی

اچھا میں سر برہنہ ہی ہوں خاکِ شفا منگاؤ — لو سوگ میں بڑھاتی ہوں بھائی سے پوچھ آؤ
اچھا یہ کپڑے گنجِ شہیداں پہ لے کے جاؤ — مَس کر کے خاکِ پاک سے زینبؑ کے پاس لاؤ
ہدیئے میں سوگواروں کے یہ پیرہن دیا
حضرت کی لاش کو نہ کسی نے کفن دیا

سر ڈھانپ لوں کہو علی اکبرؑ بھی آئیں گے — بدلوں میں کپڑے بھائی گلے سے لگائیں گے
عباسؑ قتل گاہ سے تشریف لائیں گے — پونچھوں میں آنسو منہ علی اصغرؑ دکھائیں گے
مانگو دعا بتولؑ کی جائی کے واسطے
مرجائے روتی روتی یہ بھائی کے واسطے

زندہ ہوں صاحبو! میں تمہاری نگاہ میں — مردہ ہوں میں فراقِ شہِ کم سپاہ میں
زینبؑ کہاں ہے آلِ رسالت پناہ میں — وہ وقتِ عصر ذبح ہوئی قتل گاہ میں
زہراؑ کے رشتہ داروں کی تقدیر پھیر گئی
سب کے گلے پہ شمر کی شمشیر پھیر گئی

گر تم کو اپنے ساتھ رُلاؤں گناہگار ۔ رونے کو گھر تمہارے جو آؤں گناہگار
یا اپنے گھر کسی کو بلاؤں گناہگار ۔ مہماں جو شادی بیاہ میں جاؤں گناہگار
شادی کی رسم اُٹھ گئی اس خاندان سے
سب تھا حسینؑ تک، وہ سدھارے جہان سے

پھر ماں کی قبر پر گئی زینبؑ برہنہ پا ۔ بولی پسر کو روتی ہو تنہا لحد میں کیا
بی بی ہمارے رونے سے اب خلق ہے خفا ۔ دو پہلوئے شکستہ میں تھوڑی سی مجھ کو جا
اماں بلا لو قبر میں مجھ بے نصیب کو
ہم آپ مل کے روئیں حسینؑ غریب کو

بس اے دبیرؔ بہرِ فغاں یہ بھی کم نہیں ۔ قصے کو مرثیہ کیا روتے ہیں اہلِ دیں
کس حال میں یہ حال کیا نظم آفریں ۔ نزدیک بزم یا زدہم عارضہ قریں
یارب نہ کوئی رنج ہو مجھ کو نہ فکر ہو
دل میں غمِ حسینؑ ہو لب پر یہ ذکر ہو

---

## حمد

پروانے کو دھن شمع کو لَو تیری ہے
عالم میں اِک کو تگ و دَو تیری ہے
مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب
جس نور کو دیکھتا ہوں ضَو تیری ہے

# مرثیہ نمبر ۴

## جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی

بند ۹۷

## درحالِ حضرتِ مختارِ ثقفی

# سلام

کیا نکہتِ رُخسار ہے کیا شوکتِ گفتار
وہ گُل ہی نہیں ہے یہ صنوبر ہی نہیں ہے
سیبِ ذقن و موجِ لبِ خشک کا ثانی
طوبیٰ ہی نہیں چشمۂ کوثر ہی نہیں ہے

جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی مختار کی مدد شہِ خیبر کشا نے کی
تحسین اُس کو دخترِ خیر النسا نے کی فوجِ دعا رکاب میں زین العبا نے کی
کیا خوش نصیب تھا کہ یہ حشمت نصیب تھی
رایت کے بدلے آیتِ فتحٌ قریب تھی

ترکش کا وصف ترک کروں میں تو ہے گناہ تیرِ دعائے اصغرِ ناداں
اکبرؑ نے دل سے کھینچ کے دی وہ سنانِ آہ جس کے اثر سے فتح کا چہل حاصلِ سپاہ
ساری سلاح قدرتِ پروردگار تھی
حمزہؓ سپر تھی تیغ شہِ ذوالفقار تھی

شہرہ تھا خودِ سر کا یہ مابینِ مشرقین زین العباؑ کی ظلّ حمائل کے زیب و زین
خودِ پاکِ نائبِ خودِ سرِ حسینؑ شمس و قمر کا حُسن تجلّی میں نورِ عین
مثلِ فلک تھی سر کو بلندی جہان پر
گویا کلاہِ فتح گئی آسمان پر

جوشن دعائے نادِ علیؑ حفظِ کردگار جس کی ثنا کرے دو زباں ہو کے ذوالفقار
حافظ خدا کا اسمِ صفاتی ہے اس کنار چار آئنہ تھے چار طرف اُس کے حرفِ چار
یکتا تھا چار آئینہ جاہ و جلال میں
شہرہ تھا غرب و شرق و جنوب و شمال میں

مانندِ تیغ قبضے میں تھا ملکِ فتح سب        ہم پنجہ اُس کے ہاتھ سے شیرِ ژیاں ہو کب

وہ ہاتھ تھا وہ ہاتھ کہ جس نے بصد ادب        کوفے میں سب سے بیعتِ سجادؑ کی طلب

بیعت نہ جس نے کی اُسے رنج و محن ملے

پہنچا جو ہاتھ پنجے تلک پنجتن ملے

مختار کے خروج کا لکھتا ہوں ماجرا        جب شام میں یزیدِ سیہ رو نے کی قضا

خواہاں ہوا قصاص کا مختارِ باوفا        آیا درِ امام پہ وہ مانگنے رضا

آواز آئی کان میں بس شور و شین کی

ہر اک طرف سے دھوم تھی ہے ہے حسینؑ کی

اور کہہ رہی تھی زینبِ بیکس بصد بکا        بُلوا لو اپنے پاس مجھے شاہِ کربلا

اور ایک ننھی لڑکی کی آتی تھی یہ صدا        کیوں اماں جان آئے نہ اب تک شہِ ہُدا

دل سے بھلا یا آہ شہِ مشرقین نے

اِس سال بھی بُلایا نہ ہم کو حسینؑ نے

القصہ سُن کے آمدِ مختارِ باوفا        در پر امام آئے مع آلِ مصطفےٰ

مختار نے سلام کیا شہ نے دی دُعا        اِذنِ جہاد پھر شہِ ابرار سے لیا

ہنس کر کہا یہ بادشہِ بے نظیر نے

ہم کو خبر یہ دی تھی جنابِ امیرؑ نے

پھر پیرہن کیا بدنِ پاک سے جدا        دکھلائے زخم دُروں کے اُس کو ہر ایک جا

زینبؑ نے بھی یہ ڈیوڑھی سے رو رو کے دی صدا        اے بھائی مجھ پہ شمر نے کی ہے بہت جفا

مل جائے وہ تو وقفہ نہ اک دم کا کیجیو

سر اُس کا تیغِ تیز سے تم کاٹ لیجیو

اُس نے کہا کہ ہو گا یوں ہی بنتِ مرتضیٰؑ      سُن لیجیو کہ کوفے ہیں دریائے خوں بہا
سجّادؑ سے وداع ہوا پھر وہ باوفا      آئی صدا بقیعے سے مختار مرحبا
تغئیرِ حال غم سے ہے مجھ خستہ حال کا
ہاں لے عوض تو ظالموں سے میرے لال کا

اُس وقت اپنے دل سے یہ مختار نے کہا      سجّادؑ سے جہاد کی تو تُو نے لی رضا
اب چل یہاں سے سوئے مزارِ شہِ ہدیٰ      کس واسطے ؟ کہ عمر نہایت ہے بے وفا
گر ایک بار شہ کی زیارت کو جائے گا
ہفتاد حج کا اَجر تو عقبیٰ میں پائے گا

القصّہ کربلا میں وہ آیا بصد بکا      پڑھ کر زیارتِ خلفِ شاہِ لافتیٰ
بولا لپٹ کے قبر سے روحی لک الفدا      اَے کشتۂ ثقیفہ و شوریٰ و کربلا
اے بے دیار و بے کس و مظلوم السّلام
مذبوحِ تیغ و عاشقِ قیّوم السّلام

کچھ اپنے اہلبیتؑ کی بھی تم کو ہے خبر      زینبؑ تمہارے سوگ میں اب تک ہے ننگے سر
ہے سر کو پیٹتی، ترے حجرے میں رات بھر      اور صبح جا کے ہے وہ عقیفہ سے نوحہ گر
آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ ہر وقت آہ ہے
اکبرؑ کے غم سے حالتِ صغریٰ تباہ ہے

کس کس کا حال تم سے کہوں شاہِ کربلاؑ      بچپن میں غم سکینہؑ کو جو آپ کا ملا
فرشِ سیاہ اُس نے کیا ہے بصد بکا      منبر ہے ایک چھوٹا سا اک سمت کو رکھا
عابدؑ سے یہ سوال ہے اُس خستہ حال کا
اے بھائی مرثیہ پڑھو زہراؑ کے لال کا

آتی ہیں کھیلنے کو اگر اُس سے لڑکیاں کہتی ہے اب نہ کھیلوں گی تم سے میں خستہ جاں
بابا ہمارے مر گئے اب کھیلنا کہاں؟ آرام، چھین لے گئے سارا نشترِ زماں
نے کھیلنے کو اور نہ سونے کے واسطے
اب ہم رہے ہیں خلق میں رونے کے واسطے

سمجھاؤ جا کے بالی سکینہؑ کو اب ذرا صغراؑ کو خواب میں علی اکبرؑ کو دو دِکھا
زینبؑ کو بھی کلیجے سے لیجے ذرا لگا مہمان کوئی دن کی ہے وہ بنتِ مرتضیٰؑ
سجادؑ کی خبر لو کہ حالت تباہ ہے
ہر وقت غم میں آپ کے ہونٹوں پہ آہ ہے

مختار نے بیان یہ رو رو کے جب کیا جنبش میں آیا مرقدِ سُلطانِ کربلا
بالینِ قبر تیغ رکھی اور یہ کہا یہ تیغ اپنے ہاتھ سے اب دو مجھے اُٹھا
گر تیغ تیرے ہاتھ سے مولا نہ پاؤں گا
تو فتح بھی لعینوں پہ اصلا نہ پاؤں گا

بس رحم اب لعینوں پہ تم کو نہیں رَوا اس ہاتھ سے یہ تیغ دو مجھ کو شہ ہُدا
جس کو کہ سارباں نے کیا لاش سے جُدا بے دست ہو پہ قبضے میں ہے ارض اور سما
اذنِ جہاد مانگتا ہوں کس اُمید سے
اُس لب سے حکم دو جو کھلے چوبِ بید سے

یہ حرف کہہ کے غش ہوا مختارِ باوفا مابینِ غش یہ آیا نظر اُس کو ماجرا
نکلے مزارِ پاک سے سُلطانِ کربلا اور با ہر اپنے گنجِ شہیداں سے اقربا
ہاتھوں پہ سر لئے شہدا ساتھ ساتھ تھے
اور غرق خون میں شہِ عالی صفات تھے

ہے شہ کے آگے حُرؔ و فادار و خوش سیَر  رُومال فاطمہؑ کا بندھا زخمِ حلق پر
سُوئے یسار ہیں کھڑے عباسؑ نامور  اور اِک طرف ہے قاسمؑ ناشاد خوں میں تر
سب کے گلے کٹے ہیں بدن پاش پاش ہے
اکبرؑ کی گود میں علی اصغرؑ کی لاش ہے

مختار سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک نام  اے بھائی نانا جان تجھے کہتے ہیں سلام
بہرِ قصاص جانا ہے یاں سے تو سوئے شام  لیکن رہے یہ یاد ہمارا تجھے کلام
بالکل نہ قتل نانا کی اُمت کو کیجیو
دیویں جو خوں بہا تو اماں اُن کو دیجیو

عباسؑ سے یہ پھر کہا حضرت نے منہ کو پھیر  شمشیر اپنے ہاتھ سے دے اِس کو میرے شیر
تیغِ خدا نے تیغ دی، زنہار کی نہ دیر  اور بولے ہاں رواں سُوئے کوفہ ہو اے دلیر
بھائی نہ رہیو ظالموں سے بن لڑے ہوئے
تیرے حمایتی ہیں یہ سارے کھڑے ہوئے

سُن کر یہ مژدہ ہوش میں آیا وہ نوجواں  تیغِ رواں کی شکل ہوا کوفے کو رواں
نعرہ کیا محلّے میں شیعوں کے ناگہاں  ہاں طالبانِ خونِ حسینؑ غریب ہاں
نکلو تمہیں قصاص جو مدِ نگاہ ہے
پشت و پناہ، روحِ رسالتؐ پناہ ہے

دریا کی طرح آگیا شیعوں کے دل میں جوش  جنسِ قصاص کے ہوئے مشتاق سرفروش
نکلا کوئی سناں لئے کوئی علم بدوش  موج و حباب تیغ و سپر سب سلاح پوش
نقارۂ خروج کا یہ غلغلہ ہوا
جو بے حواس خوف سے ہر بے حیا ہوا

ہر آرزو کو دل سے دیا شیعوں نے اُٹھا   سب حیدری و غازی و جرّار و باوفا
لشکر میں چارؔ حافظِ قرآں جُدا جُدا   پڑھتے تھے چار سمت فصاحت سے ہل اَتیٰ
جبریلؑ تو فلک سے خضرؑ یاں زمین پر
دم کرتے تھے دُعائیں سبھوں کی جبین پر

القصہ جن کی طبع کو تھا ذکرِ حق سے مَیل   آنے لگے گروہ گروہ اور خیل خیل
اَبرو ہلالِ عید تھے خالِ جبیں سہیل   عارض بیاضِ صبح تو گیسو سوادِ لیل
مختار کی مدد کو سب آئے قرینے سے
حیدرؑ نجف سے احمدِ مُرسل مدینے سے

ہاں مومنو! رفیقِ تصوّر سے کام لو   دیکھو یہ فوج، جائزہ خاص و عام لو
جب یا علیؑ کہو پرِ جبریلؑ تھام لو   تم بھی انہی کی طرح سے حیدرؑ کا نام لو
یوں محو ہو کے سیر کرو ان کے اَوج کی
پلکوں میں مثلِ سُرمہ پڑے گرد فوج کی

لہرا رہا ہے غازیوں کے سر پہ وہ عَلَم   دامن پہ جس کے آیۂ قرآں ہیں سب رقم
لیکن کہو نہ اُس کو علم اب بتائیں ہم   ہے بہرِ داد خواہ اُٹھا نالۂ حرم
پنجے سے اُس کے پنجۂ خورشید زرد ہے
زینبؑ کی یہ آہ بھی رُتبے میں فرد ہے

لکھا ہے غازیوں کا روایت میں یہ شمار   بہرِ قصاص جمع اِدھر تھے چہل ہزار
کہتی تھی اِن کو دیکھ کے زہرؑا یہ بار بار   ہم رہ حسینؑ کے نہ ہوئے اتنے جاں نثار
رخصت کو میرا لال جو خیمے میں آیا تھا
زینبؑ نے گھوڑے پر اُسے ہے ہے چڑھایا تھا

صف باندھے ہیں کھڑے ہوئے اعدائے بے شمار　　خولی سنان و شمرِ ستمگارِ نابکار
ہے یا یزید کا تو اُدھر شور بار بار　　اور اِس طرف ہے غُلغلہ یا شاہِ ذوالفقار

خنجر وہی ہے، شمر وہی اور کیا نہیں
ہاں اک حسینؑ پیاسے کا سوکھا گلا نہیں

ہنس ہنس کے غازیوں سے یہ کہتے ہیں نابکار　　جُرأت تو ہے ہمارے زمانے میں آشکار
کاٹا ہے ہم نے حلقِ شہنشاہِ نامدار　　بہتر یہی ہے ہم سے کرو تم نہ کارزار

کیا چیز تم ہو ہم پہ ظفر تم نہ پاؤ گے
تم بھی یہاں سے جیتے نہ اب بچ کے جاؤ گے

کوئی جری زمانے میں ہم سے نہیں سوا　　نیزے پہ ہم نے رکھا سرِ شاہِ کربلا
اور چھینی ہم نے زینبؑ ناشاد کی ردا　　سر ننگے شام میں بھی پھرایا ہے جا بجا

ہم کو خدا کا ڈر نہیں تم کیا ڈراتے ہو
دیکھیں تو کس طرح سے ظفر ہم پہ پاتے ہو

کہتے ہو ہم ہیں شیعۂ سلطانِ لافتیٰ　　جس دم بندھا رسن میں یداللہ کا گلا
آئے نہ تھے چھڑانے کو حیدرؑ کے تم ذرا　　تم تھے کہاں، بتولؑ پہ دروازہ جب گرا

صدمے پہ صدمے پہنچے جنابِ بتولؑ کو
تسکین بھی نہ تم نے دی بنتِ رسولؐ کو

اصغرؑ جو زندہ ہوتے تو بے خوف و بے خطر　　ناوک لگا دیں اُس کے ابھی خشک حلق پر
آئے مقابلے پہ جو عباسؑ نامور　　شانے گرا دیں اُس کے ابھی دونوں خاک پر

منظور کربلا کی عبث سیر ہے تمہیں
شر ہم سے کرنے آئے ہو کچھ خیر ہے تمہیں

دیتے ہیں یہ جواب غلامانِ مرتضیٰؑ ہاں یہ غرور ہے تمہیں اے لعنتِ خدا
در گرنے سے نورِ تنبۂ زہراؑ نہ کم ہوا نامِ علیؑ رسن میں بھی مشکل کشا رہا
بُرّاں ہوئے تھے وار نہ دو ذوالفقار کے
کس نے امان مانگی تھی شہ سے پکار کے

بہتر نہیں غرور کرو کچھ خدا کا ڈر اب دیکھیو کہ آگ سے جلتا ہے کس کا گھر
اور قید کس کی عورتیں ہوتی ہیں ننگے سر سب کچھ یہ ہم کریں گے نہ اے قومِ بدگُہر
عترت کو بھی تمہاری نہ در در پھرائیں گے
زینبؑ کی قید پر نہ کبھی بھول جائیں گے ل

جھنجھلا کے بولا اتنے میں مختارِ نامدار روکو زبان اپنی بس اے قومِ نابکار
مُرّہ اُدھر سے نکلا سناں لے کے ایک بار تھا جس نے رن میں سینۂ اکبرؑ کیا فگار
یاں سے بھی ابنِ مالکِ اشتر رواں ہوا
گویا کہ قطع کرنے کو خنجر رواں ہوا

اُس کے قریب آن کے مُرّہ نے یہ کہا اکبرؑ کو میں نے مارا ہے ہشیار ہو ذرا
وہ بولا فخر کیا تجھے لعنت کرے خدا رہ جا سفر میں بھیجتا ہوں تجھ کو بے حیا
اژدر لقب دیا ہے تجھے کردگار نے
بخشی ہے مجھ کو تیغ شہِ ذوالفقار نے

آخر ہوا مقابلہ دونوں کا یک دِگر آئی شکست پشت پہ واں اور یہاں ظفر
مُرّہ نے وار پہلے کیا نیزہ تان کر خالی دیا جری نے زدِ نیزہ کو مگر
چُستی وہ کی کہ غازیوں سے آفریں لی
اُنگلی ہلی نہ اُس کی سناں اِس نے چھین لی

ل اس کے بعد سلسلۂ واقعات غیر مربوط ہے۔ غالباً چند بند نقل کرنے سے رہ گئے ہیں

نیزہ کے بدلے نیزہ جو پھر مارا دوڑ کر — شمعِ سناں کا ہو گیا فانوس اُس کا سر
پروانۂ بقا کے لئے جلنے بال و پر — بولا گرا کے آبِ دہن اُس کی ریش پر
دوزخ میں جا یزید کی خدمت کے واسطے
دنیا میں تیرا نام ہے لعنت کے واسطے

آگر وغا طلب ہوا پھر خازنِ عمر — نام اُس کا درہمی تھا سیہ شکل و بدگہر
شکلِ فلوس تن پہ زرہ آتی تھی نظر — تیغ اُن کی مثلِ سکہ ہوئی اُس پہ کارگر
شمشیر جو پڑی تو زمیں کے تلے گیا
گویا چُرا کے دُزدِ اجل اُس کو لے گیا

لکھا ہے تہ نشیں ہوا اسفل مثالِ دُرد — مردہ نہ پایا ڈھونڈ پھرے سب بزرگ و خورد
تحت الثریٰ کو قدرتِ حق نے کیا سپرد — تھا درہمی زمیں نے کیا اُس کو خورد بُرد
بے روشنی زمین پہ وہ تیرہ دل گیا
تھا درہمی خزانۂ قاروں میں مل گیا

آئی ندا علیؑ کی کہ شاباش اے دلیر — مختار بولا ایدک اللہ میرے شیر
اب ہم لڑیں تو دم لے، وغا کو ہوئی ہے دیر — یہ تو یقیں ہے قتل سے ان کے نہ ہوں گے سیر
ہاں بڑھ کے کیا ہٹو کہ علیؑ کے غلام ہو
سقّے کو بھیج دوں تم اگر تشنہ کام ہو

وہ بولا پیاس تو ہے مگر ہوں میں باحواس — سقّہ کھڑا ہوا ہے سکینہ کا میرے پاس
آقا کو میرا درد ہے آقا کا مجھ کو پاس — کہتے ہیں پانی پی لے جو تجھ کو لگی ہے پیاس
ہر چند تشنگی مجھے حد سے زیادہ ہے
وہ کربلا کی پیاس بھی کچھ تم کو یاد ہے؟

ناگاہ اُس طرف سے کماندار اک بڑھا　　اُستاد اپنے فن میں تھا وہ بانیٔ جفا
سوفار لب کو وا کئے دیتے تھے بد دعا　　چلّہ کماں سے باندھا تھا جلد اُس کی ہو قضا
ناوک لگا کے بھاگنے کا قصد جو کیا
غازی نے ایک سوار میں بس اُس کو ڈوکیا

جب ایک ایک ورنہ ہوئے بانیٔ جفا　　باہم دُہل بجاتے بڑھے آگے اشقیا
طبلِ وغا یہاں بھی لگے بجنے جابجا　　لشکر سے لشکر آکے غرض راہ میں ملا
ناحق گروہِ ظلم جو شیعوں سے لڑتا تھا
خونِ گلو اُنھوں کا گریباں پکڑتا تھا

غازی تھے محوِ رزم لئے تیغ اور سپر　　پیدا ہلالِ فتح، نمایاں شبِ ظفر
کٹ کر نشان اُن کے گرے تھے اِدھر اُدھر　　انبارِ نیزہ و سپر و تیغ و خود و سر
تھا شورِ الحذر، فلکِ بے دریغ سے
دل چاک خاک کا ہوا لشکر کی تیغ سے

مختار کہتا تھا کہ بروحِ ابوتراب　　ڈوبے گی جب تلک نہ لہو سے مری رکاب
میں خانماں کروں گا ستمگاروں کا خراب　　پورا کیا یہ عہد خدا نے بصد شتاب
خون آکے اُس کے پاؤں پڑا قتل گاہ میں
یعنی کہ باقی اب نہیں کوئی سپاہ میں

مختار نے زمیں پہ کیا سجدۂ خدا　　زندہ جو کچھ رہے تھے اسیر اُن کو کر لیا
شمر و سنان و حرملہ وابنِ سعد کا　　خوں صبحِ بزمِ عیش کے ایوان میں بہا
جلوہ زیادہ ہو گیا بزمِ مراد کا
دو عید یں تھیں کہ آیا سر ابنِ زیاد کا

اُس وقت قاتلوں سے یہ مختار نے کہا — دیکھا اثر بتولؑ کی فریاد و آہ کا
پھر حرملا کو تُودہ کیا تیرِ عدل کا — اہلِ خطا پہ چلنے لگے تیر بے خطا
جب مر گیا تو کاٹ کے سر کو گرا دیا
پھر بورئیے میں لاش کو رکھ کر جلا دیا

ناری ہوا جو خاک تو یہ عدل نے کہا — بس سرمہ آج دیدۂ انصاف میں لگا
پر اُس کی خاک سے یہ صدا اٹھی جلا جلا — پھر سر عمر کا تیغ سے اُس نے کیا جُدا
دوڑا کے گھوڑے لاش پہ یوں حرف زن ہوئے
پامال اس کے ظلم سے ستر و دو تن ہوئے

آئی نظر جو شمر کو یہ حالتِ عمر — مانندِ بید خوف سے تھرایا بد گہر
پھر خاک پہ لٹایا اُسے سب نے کھینچ کر — اور ایک سنگ لا کے رکھا اُس کی چھاتی پہ
رو کر کہا شقی نے خدا کی دہائی ہے
پتھر اُٹھا لو لب پہ مری جان آئی ہے

سب نے کہا یہ اُس سے کہ خاموش بے حیا — پتھر کے بوجھ سے ہے تجھے نالہ و بکا
اُس وقت تو نہ خوفِ الٰہی سے کچھ ڈرا — جس وقت تھا کہ سینۂ شبیرؑ پر چڑھا
لعنت خدا کی تجھ پہ ہے، نفرین جینے پر
رکھے تھے تو نے پاؤں شہیدوں کے سینے پر

مظلوم پر ترس نہ تجھے آیا تھا ذرا — پھٹ پھٹ کے زخم خون کا دریا تھا اک بہا
اور ننگے سر تھے در پہ کھڑے آلِ مصطفےٰ — فریادِ اہلِ بیت سے بھی حشر تھا بپا
بیٹے کے پاس فاطمہؑ سر پہ تڑپتی تھی
اور در پہ آہ زینبِ مضطر تڑپتی تھی

زینبؑ درِ خیام پہ آنسو بہاتی تھی　　کیسی پچھاڑیں خاک پہ رو رو کے کھاتی تھی
تجھ کو خدا کے واسطے ہر دم دلاتی تھی　　اپنی غریبی بالی سکینہ دکھاتی تھی

سیدانیوں پہ رحم نہ تونے ذرا کیا
زینبؑ کے روبرو سرِ سرور جدا کیا

تُونے شفقِ محمد میں نبیؐ کو رلایا ہے　　تونے سناں پہ سرِ شہِ دیں کا چڑھایا ہے
خیمہ علیؑ کا آگ سے تونے جلایا ہے　　اور سر برہنہ آلِ نبیؐ کو پھرایا ہے

اُس دم نہ رویا اپنی مصیبت پہ روتا ہے
ظالم ستانا فاطمہؑ کا ایسا ہوتا ہے

یہ کہہ کے کاٹا تن سے سرِ شمرِ نابکار　　پھر تو سناں پہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
لکھا ہے جب تھے سجدے میں شبیرِ نامدار　　اس کی سناں ہوئی تھی شہِ دیں کے دل کے پار

گردن بزیرِ تیغ کی اُس روسیاہ کی
مردود نے تو آہ کی ہاتف نے واہ کی

ظاہر ہوا پھر اتنے میں اک طفل خوش سیر　　چہرے سے اُس کے نورِ سیادت تھا جلوہ گر
گیسو پہ خاک ڈالے ہوئے مثلِ بے پدر　　تن بھی برہنہ اُس کا تھا اور تھا وہ ننگے سر

حیران ایک سمت وہ مظلوم پھرتا تھا
اور ضعف سے یہ حال تھا ہر جا پہ گرتا تھا

انبوہ گردِ قاتلِ مسلم جو تھا بڑا　　مختار تک وہ بے کس و مضطر نہ جا سکا
لیکن وہ در پہ بیٹھ کے کرنے لگا بکا　　مختار بولا کون یہ ہے دیکھو تو ذرا

سب نے کہا غریب سا اک لڑکا روتا ہے
آئی ندا علیؑ کی کہ مسلمؑ کا پوتا ہے

محفل میں لا کے اُس سے یہ ہر ایک نے کہا
سیّد کہو ہے اسمِ مبارک تمہارا کیا

اُس نے کہا میں پوتا ہوں مسلمؑ شہید کا
مختار بولا آنے کا کہیے سبب ذرا

رو کر کہا کہ قوت میں اب ہے خلل پڑا
بھائی میں گھر سے فاقوں کے مارے نکل پڑا

رو کر پکارے سب کہ غضب وامصیبتا
یہ مرتبہ ہے آلِ پیمبرؐ کا واہ وا

مختار نے لباس منگائے بصد بکا
ٹوپی تو سر پہ کرتا گلے میں پہنا دیا

وہ بولا ہے کوئی جو اسیرِ بلا نہیں
مختار میری ماں کے بھی سر پر ردا نہیں

مختار نے دراہم و خلعت منگا دیا
سیّد نے چھوٹا ہاتھ دعا کو اُٹھا دیا

مختار کو یہ مژدہ بھی ہنس کر سنا دیا
رتبہ تجھے خدا نے نہایت بڑا دیا

بن تیرے شہ نہ گلشنِ جنت میں جائیں گے
حُلّہ بہشت کا تجھے حیدرؑ پہنائیں گے

مختار نے کہا کہ طلب کچھ تو اور کر
بولا دکھا کے قاتلِ مسلمؑ کو وہ پسر

اب ہے یہ آرزو کہ ہمیں کاٹیں اس کا سر
اک تیغچہ منگا کے دیا اس نے جلد تر

فاقوں سے گو نقیہہ بہت وہ یتیم تھا
اک تیغچہ جو مارا تو قاتل دو نیم تھا

پھر اُن سروں کو نیزوں پہ مختار نے رکھا
اور کشتیوں میں زیور و اسباب بھی دھرا

پھر بولا مومنوں سے یہ مختارِ باوفا
لے جاؤ ہے یہ ہدیۂ بیمارِ کربلا

کہنا کوئی حسینؑ کا قاتل رہا نہیں
پر بے حسینؑ جینے کا ہرگز مزا نہیں

زینبؑ غریب کو دینا مرا پیام | موئے سرِ حسینؑ کا مشکل ہے
یہ نسل ظالموں کو کیا ہیں نے لاکلام | اب رخصتِ ماتمی کو اُتار دیجئے امام

زہراؑ نے دی ندا وہ نہ حاشا اُتارے گی
زینبؑ اُتارے گی تو نہ زہراؑ اتارے گی

لے کر وہ ہدیہ سوئے مدینہ ہوئے رواں | مثلِ نزولِ رحمتِ حق پہنچے سب وہاں
اُس وقت آئے در پہ مگر سب وہ خوش بیاں | جب چاشت کھا رہے تھے شہنشاہِ دوجہاں

مولا یتیم بچوں کو کھانا کھلاتے تھے
اور آپ شہ کی پیاس پر آنسو بہاتے تھے

دستک دی مومنوں نے کیا فضہؑ نے گزر | وہ سر بھی کشتیاں بھی حوالے کیں سر بسر
مختار کا پیام کہا ہاتھ باندھ کر | فضہؑ وہ ہدیہ لے گئی زینبؑ کو دی خبر

وہ بولی دن دکھایا خدا نے مراد کا
بی بی مبارک آیا سر ابنِ زیاد کا

ناگاہ کیں وہ کشتیاں زین العباؑ نے وا | دیکھا سفید کپڑوں کو اور آگئی حیا
رو کر زنانِ ہاشمیاں سے یہ پھر کہا | سمجھاؤ تم پھوپھی کو کہ بس ہو چکی عزا

حجرے سے باہر آتی ہیں نے کھاتی پیتی ہیں
بابا کے غم میں یہ برکت ہے کہ جیتی ہیں

کہنا کہ جو حسینؑ پہ ہونا تھا ہو چکا | اب سوگ اُتاریئے کہ ہوا سال دوسرا
یثرب میں اب تلک کوئی دولہا نہیں بنا | سرمہ زنانِ ہاشمیاں نے نہیں دیا

یہ تو وہ غم ہے خلق خدا اس میں روئے گی
پر اب مدینے والوں کو تکلیف ہوئے گی

زینبؑ کے پاس لے گئیں وہ کشتیاں اُٹھا  دیکھا جو اُس کا حال نہ اُن سب کا مُنہ پڑا
اک جامہ خوں بھرا ہوا زانو پہ ہے دھرا  اور روتی ہے کلیجے سے اُس کو لگا لگا
سب گرد بیٹھیں رونے کو مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کر
قبرِ رسولؐ رہ گئی بس کانپ کانپ کر

جب رو چکیں تو کشتیوں کو کھول کر کہا  یہ کپڑے سب ہیں تحفۂ مختارِ با وفا
ہم صدقے سوگ اُتاریئے اے بنتِ مرتضیٰؑ  اب تک کسی نے ہم میں بھی شانہ نہیں کیا
ہم کپڑے بدلیں آپ بھی گر وعدہ کیجئے
دیں سُرمہ ہم بھی آپ اگر سُرمہ دیجئے

زینبؑ پکاری آہ کہاں جاؤں اے خدا  لوگو مجھے نہ تنگ کرو بہرِ مصطفےٰؐ
گھر چھوڑ دوں اگر مرے رونے سے ہو خفا  جنگل میں جا کے بھائی کی خاطر کروں بکا
مرتے ہوئے بھی سوگ نہ ہرگز بڑھاؤں گی
جائے کفن یہی کفنیٰ پہنے جاؤں گی

پھر ماں کی قبر پر گئی گھبرا کے ننگے پا  پیدا ہوئی واحسینؑ کی اُس قبر سے صدا
بولی پسر کو روتی ہو تنہا لحد میں کیا  دو پہلوئے شکستہ میں مجھ کو بھی تھوڑی جا
دنیا ہے تنگ سُن کے مرے شور و شین کو
ہم آپ مل کے قبر میں رو دیں حسینؑ کو

خاموش اب دبیرؔ ہے بس شدتِ بکا  قصے کو مرثیہ کیا تحسین و مرحبا
کس حال میں یہ مرثیہ موزوں مگر ہوا  ہر سمت سے ہے مجھ پہ یورشِ موجِ اشک کا
یارب نہ مجھ کو رنج ہو کوئی نہ فکر ہو
دل میں غمِ حسینؑ ہو لب پر یہ ذکر ہو

# رباعیات

(در صنعتِ معطلہ)

١

اعدا کو اُدھر حرام کا مال مِلا — حر کو اسد اللہ کا اِدھر لال ملا

واللہ کلاہِ سرِ عالم ہوا حُر — حُلّہ ملا، معصومہؑ کا رومال ملا

٢

گر مہرِ امامِ دوسرا حاصل ہو — گو درد ہو لا دوا، دوا حاصل ہو

اس دم ہو مددگار گر احمد کا لال — واللہ کہ دُرِ مُدّعا حاصل ہو

٣

واللہ کہ طالع رسا حُر کو ملا — سردارِ امامِ دوسرا حُر کو ملا

گھر حُر کا ہوا احمدِ مرسل کا دل — حورِ ارم و حُلّہ صِلا حُر کو ملا

٤

آرامِ دلِ حرم کا معدوم ہوا — کم عمر کا حالِ مرگ معلوم ہوا

دُودھ اُگلا، لہو ڈالا، ڈرا کھا کر سہم — اور سرد وہ معصوم کا معصوم ہوا

٥

حُر کو مددِ حرم کا الہام ہوا — ہر درد و الم سرور و آرام ہوا

مُسلم ہوا سرور کا ہراول ہو کر — حاصل حُر کو کمالِ اسلام ہوا

# مرثیہ نمبر ۵

(در صنعتِ غیر منقوطہ)

## مہرِ علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع

بند ۷۲

در حالِ حضرتِ عباسؑ علمدار

## رُباعی

دردا! کہ ملول امامِ معصوم رہا  
ہر اہلِ طمع عمر کا محکوم رہا  
مالک ہوا ساحل کا گروہِ گمراہ  
اور آہ امامِ عصر محروم رہا

○

## سلام

(صنعتِ غیر منقوطہ میں)

مسطور گر کمال ہو سرورِ امام کا  
مصرع ہمارا سرو ہو دار السّلام کا  
حاصل سرِ عمر کو مرصّع کلاہ! واہ!  
دردا سرِ علم سرِ اطہر امام کا  
اس طرح محوِ حمد رہا سرورِ اُمم  
اعدا کو حوصلہ ہوا مدحِ امام کا  
دردا! لہو امامِ اُمم کا حلال ہو  
سہل اِس طرح ہو مسئلہ امرِ حرام کا

## قطعہ

ہر سو وہ آمدِ آمدِ سردارِ دوسرا  
اور ہمہمہ وہ اُدھم سر سر لگام کا  
کہرام ملک ملک ہوا دھوم کوہ کوہ  
سوکھا لہو دلِ اسد و گرگ و دام کا  
ڈر کر اُدھر کو گم ہوا عمرِ عدو کا ماہ  
طالع ہوا ہلال اِدھر کو حسام کا  
آرام گور کا ہوا گر دل کا مدّعا  
ہر سال دو ماہ سوگ رکھا کر امام کا

ہر دم ملا حرم کو وہ درد و الم کہ آہ  
روحِ رسول کو ہوا صدمہ مدام کا

مہرِ علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع      وہ مہر ہوا مہرِ سحر کم ہوا طالع
ہر ماہِ مرادِ دلِ عالم ہوا طالع      ہر گام علمدار کا ہمدم ہوا طالع
عکسِ علم و عالمِ معمور کا عالم
گہ ماہ کا گہ مہر کا گہ طور کا عالم

مہرِ علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع      ہر ماہ و مرادِ دلِ عالم ہوا طالع
ہر گام علمدار کا ہمدم ہوا طالع      اور حاسدِ کم حوصلہ کا کم ہوا طالع
عکسِ علم و عالمِ معمور کا عالم
گہ ماہ کا گہ مہر کا گہ طور کا عالم

عالم ہوا مداح علمدار و علم کا      وہ گلِ اسد اللہ کا وہ سروِ ارم کا
محرم وہ حرم کا وہ گواہ اہلِ حرم کا      رہبر وہ عدم کا وہ عصا راہِ عدم کا
مصدر وہ علم دار، کرم اور عطا کا
مطلع وہ علم، طالعِ مسعود ہما کا

مردم کو ملا سرمۂ گردِ سُمِ رہوار      رہوار ہما وار، علمدار ملک وار
کل محوِ علم اور علم محوِ علمدار      اللہ مددگار، اسد اللہ مددگار
دل سردِ اسد کا ہوا سُم گاؤ کا سر کا
ہمدرد ہوا دردِ دل و روحِ عمر کا

رہوار ہما دار، علمدار ملک وار — کل محوِ علم اور علم محوِ علمدار
مداحِ علمدار رسولِ ملک اطوار — اللہ مددگار اسد اللہ مددگار
دلِ سردِ اسد کا ہوا سُم گاؤ کا سر کا
ہمدرد ہوا دردِ دلِ دردِ عمر کا

ہر گام دعا گو ملک دحور سرِ راہ — اللہ معک صلِ علیٰ سلمک اللہ
ہمراہ رسولِ دوسرا اور اسد اللہ — اور ورد کہ ومہ کا اِدھر آہ اُدھر واہ
ہر سو ہوا کہرام کہ سرگرمِ دُعا ہو
اور روحِ گروہِ عمرِ سعد ہوا ہو

اُس دم ہوا سرگرمِ صدا طالعِ مولا — او مرگ ادھر آ عمرِ سعد کا سر لا
او عہدِ علم کر علمِ سرورِ والا — اور دور گرا ہر علمِ طالعِ اعدا
او مہر دکھا گورِ مہِ عمرِ عمر کو
او گردِ عدم روک رہِ عمرِ عمر کو

او مہر ہوا سال و مہِ عمر حرم کر — اِلا مہ و سالِ عمرِ سعد کو کم کر
او ماہ سرِ اہلِ ولا مہر دکرم کر — اور گُم سرِ ہر حاسدِ سردارِ اُمم کر
او کلکِ عطارد سوئے مولا ہو کمک کر
ہراسم گروہِ عمرِ سعد کا مک کر

رہوار کو ہر لطمہ ہوا کا ہوا کوڑا — اُڑ کر ہوا طاؤس علمدار کا گھوڑا
اور ساعدِ صرصر کو دم کا وہ مروڑا — اس طور مڑا گرم کہ رُد مہر کا موڑا
ہر گام اُڑا ادہمِ صرصر کو گھرک کر
اور ہوا گرد ہُوا دور سرک کر

عکسِ دمِ رہوارِ سرِ راہ ہوا دام　　ہر دام و دد و گرگ و اسد اُس کا ہوا رام

اِلّا دلِ اعدا کو بلا دردِ ہر اک گام　　رم کردۂ صحرا ہُوا ہر آہوئے آرام

ہر سُو وہ رُکا اور کہا مرگ ہو حاصل

دِل گُردہ وہ کس کا کہ ہو اِس صدمہ کا حامل

لو سامعو الحال سلام اور دُعا ہو　　دل محوِ علمدارِ رسولؐ دوسرا ہو

اور صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ ہو　　مدّاحِ علمدار کا ادراک سوا ہو[1]

مسطور ہو رُوداد علمدار و علم کا

ہر دِل ہو ملُول اور عَلَم آہ اَلَم کا

وہ مطلعِ اسرار کمالِ اسداللہؑ　　آرام و سرورِ دلِ آلِ اسداللہ

ممدوحِ مہ و مہر ہلالِ اسداللہ　　واللہ ملال اس کا ملالِ اسداللہ[2]

محکوم وہ اللہ کا حاکم وہ اِرم کا

حامل وہ عَلَم کا وہ مددگار حرم کا

وہ اصلِ گُلِ وَرد و مہک عطرِ گُلِ ورد　　آرامِ دِہ رُوح و دل و داروئے ہر درد

لمعہ کا وہ عالم کہ سدا طُور کا دل سرد　　سَو لاکھ مہ و مہر اِدھر گرد اُدھر گرد

رُو ماہِ مرادِ حرم سرورِ والا

اور دل اسداللہ کا اس ماہ کا ہالا

---

[1] متبادل مصرعے: واللہ اگر مدحِ علمدار ادا ہو
مدّاح کا حُور و اِرم و حُلّہ صلا ہو

[2] متبادل مصرعہ: وا، مرد مگر گرمِ وصالِ اسداللہ

سرِ ہمسرِ کوہِ حرمِ داورِ علّام ۔۔۔ دل مصدرِ الہام گلو مطلعِ اسلام

اور طرّۂ کاکل دلِ اسلام کا اک لام ۔۔۔ وہ لام کہ حاصل ہوا اسلام کو آرام

لو سلسلہ درہم ہوا ہر درد و الم کا[1]

کاکل کو لکھا دام دلِ اہلِ حرم کا

لو اور کھلا طرّۂ کاکل کا معمّا ۔۔۔ ہر سو ہوا مدّاح کو اسلام کا سودا

وہ لام دو اسم اور وہ کاکل دو مسمّٰی ۔۔۔ اسرارِ لہٗ الملک و لہٗ الحمد ہوا وا

دل کو اگر اس طرّۂ سرور کی ولا ہو

آسودۂ رحم و کرم و مہر و عطا ہو

دعویٰ ہوا کاکل کو سرِ لوح مدلّل ۔۔۔ حاصل سرِ ہر مو ہوا اسرارِ مطوّل

اور مسئلۂ درعِ علمدار ہوا حل ۔۔۔ اُس کاکلِ اطہر کا گرا عکس مسلسل

اس سلسلے کا عکس سلاسل ہوا اُس کو

ہر سلسلہ اسلام کا حاصل ہوا اُس کو[2]

ہر صاد علمدارِ امامِ اطہر و اسعد ۔۔۔ وہ صاد ہر اک صلِّ علیٰ آلِ محمّد

لو سامعو ادراک کا ادراک ہوا رد ۔۔۔ حاصل صلۂ مدحتِ سرور ہوا لاحد

اب عجزِ طبیعت پہ مرے دال ہے نقطہ

یہ مرثیہ بے نقطہ ہے اور حال ہے نقطہ

---

[1] متبادل بیت:
وہ درع کہ کھولا گرہِ درد و الم کو
ہر سلسلہ آرام کا حاصل ہوا ہم کو

[2] متبادل بیت
ہر صاد لکھا اور ملا ہم کو صلہ صاد
اس دم سرِ ہر مصرعِ مدّاح ہوا صاد

مردم کو سوادِ دلِ لالہ کرو مسطور　　اور سرمہ دہِ مردمکِ ہر ملک و حور
اس مردمِ اطہر کو ملا لمعۂ صد طور　　وہ لمعۂ صد طور وہ رُد سورۂ والطور
مدحِ گہر و لعل سرِ سطر اگر ہو
گہ سطر رگِ لعل ہو گہ سلکِ گہر ہو

سلکِ گہر و لعل علمدارِ مکرم　　لمعہ دہِ الماس و دُر و لعلِ دو عالم
ہر لعلِ علمدار ملا روح کا ہمدم　　دم مُردۂ صد سالہ کو حاصل ہوا ہر دم
والہ ہوا ہر لعلِ علمدار کا لالا
گوہر کا ہر اک لولوئے لالہ ہوا لالا

راس الرؤسا، راسِ علمدارِ دلاور　　سردارِ مہ و مہر کلاہِ سرِ اطہر
درد اکہ گرا آہ سرِ معرکہ وہ سر　　حامل ہوا کس کو وہ الم کا سرِ سرور
وہ صدمہ ہوا دل کو علمدار و علم کا
عمامہ گرا سرور و سردارِ اُمم کا

ہر دم کلمہ حمد کا وردِ دلِ آگاہ　　اور سامعہ مولا کو گواہِ سمع اللہ
مداح ہوا صدرِ علمدار کا ہمراہ　　دل عالمِ ہر صدرۂ اسلام ہوا واہ
ڈورا ہو کمر کا کہ رگِ لعل و گہر کا
کھولا گرہِ مو کو لکھا حال کمر کا

صمصام وہ صمصام کہ ہر سو عمل اُس کا　　گہ کاسۂ سر، گہ دلِ اعدا محل اُس کا
کس طرح معمّا ہو دمِ مدح حل اُس کا　　ہے راس درِ مرمِ روحِ عدو حاصل اُس کا
گر حکمِ علمدار و امام دوسرا ہو
وہ مار ہو طاؤس ہو موسیٰ کا عصا ہو

لو واہ کہو حال کھلا ڈھال کا حالا ــــ مدّاح کو دو داد کہ اس ڈھال کو ڈھا…
مسطور ہوا مدح کا اس طور رسالا حل مہر کا گردہ ہوا اور ماہ کا ہا…
ہالا اِدھر اُس ڈھال کا گِردِ مہِ رُو ہو
معکوس اُدھر کاسۂ ہر عمرِ عدو ہو

رہوار ہما، طالع اسد، حملہ ہوا دم طاؤس ادا، رعد صدا، صور کا ہمدم
آمد کا وہ کردار کہ ہو عمرِ عدو کم ہم طورِ ملک، سدرۂ اعلیٰ کا وہ محرم
دُم وہ کہ ملا کا کُلِ ہر حور کا عالم
سُم وہ کہ ہلا اور ہوا طور کا عالم

اسم اُس کا طلسمِ حکما سحرِ ارسطو دُلدل عمل و حور کمال اور ملک رُو…
سر کوہ و کمر لالہ و دُم سرو و سُم آہو اور دامِ ہما طرّۂ رہوار کا ہر مُو…
محکوم وہ اسوار کا حاکم وہ ہما کا
رہوار علمدار کا اسوار ہوا کا

ہر گاہ ہوا معرکہ آرا وہ علمدار اِس طرح کہا او عمرِ حاسد و مکّار
ہو کر کلمہ گو ہوا ملحد کا ہم اطوار دردِ دلِ احمدؐ کا ہوا آہ ردا دار
ہمدم کو ہراول کو مددگار کو مارا
دامادِ امامِ ملک اطوار کو مارا

روحِ اسد اللہ کو صدمہ ہوا اس کا واللہ کہ اس صدمہ کو دل کا ہوا صدمہ
صدمہ سُمِ رہوار اور اک دولھا کا مرا آلودۂ گرد آہ وہ ہار اور وہ سہرا[1]
گھر سرورِ عالم کا محل درد و الم کا[2]
دولھا کا لہو عطرِ عروس اور حرم کا

---

[1] متبادل مصرع — گُل سرورِ معصوم کا اور صرصرِ صحرا
[2] متبادل مصرع — ہر گردِ الم دسمہ ہوا دارِ اُمم کا

دردا حرمِ سرورِ طٰہٰ کو رُلاؤ! دردا دلِ اولادِ محمّد کو دُکھاؤ!

دردا لحدِ احمدِ مرسل کو ہلاؤ! سردار کو معصوم کو صمصام دکھاؤ!

آلودۂ مکر و حسد و حرص دا ہوا ہو

آسودۂ اموال ہو محرومِ ولا ہو

معصومہ کا ہو مہر ہر اک رود مگر واہ الماء ہوا وردِ حرمِ محرمِ اللہ

آسودۂ ساحل ہوا ہر سالک و گمراہ اِلّا رہا محروم امامِ دوسرا آہ

مُردہ ہوا ہر کودکِ کم عُمر حرم کا

اور گل سا گلا سوکھا مددگارِ اُمم کا

آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ سردار ہمارا اسد اللہ کا وہ ماہ

والد ولدِ عمِّ محمدؐ، اسد اللہ مولودِ حرم ماہِ ھمم مہرِ کرم واہ

سر احمدِ مرسل کا وہ سرور رؤسا کا

حاکم اُمراء کا وہ مدرس علماء کا؎

حور و ملک و آدم و حوا کا مددگار ممدوحِ رُسل مالکِ کُل عالمِ اسرار

حلّالِ مہم، دادرس و سرور و سردار وہ ماہر حالِ دلِ مورو مگس و مار

وہ عسکرِ اسلام کا سالارِ دلاور

وہ احمدِ مرسل کا علمدارِ دلاور

وہ صوم وہ عمرہ وہ صراط اور وہ احرام گھر علم کا دَر علم کا معمورۂ اسلام

حاملِ علم حمد کا اور مالکِ صمصام مالکِ ملوکِ دوسرا حاکمِ حکّام

وہ سرورِ عادل کہ عَلَم عدل کا گاڑا

اللہ کہا اور درِ محکم کو اکھاڑا

؎ متبادل مصرع:۔ مالک ملک و حور کا حاکم دوسرا کا۔

وہ ہر ملکِ سدرہ کا مولا و مدرّس اور گلکدۂ آدم و عالم کا مؤسّس
الواحِ سما کا وہ مصوّر وہ محرّس وہ ہادمِ معمورۂ اوہام و وساوس
محکم ہوا دعویٰ کہ معطّل ہوا دھوکا
وہ دوسرا احمدؐ کا اور اوّل ہوا دو کا

وہ صدرِ کلام، اصلِ کلام اللہ اطہر الحمد کا اور سورۂ والعصر کا مصدر
اللہ کا ہم اسم، محمدؐ کا وہ ہمسر ہم کلمہ و ہم عمر وہ احمدؐ کا سراسر
سلکِ گہرِ علم و دُرِ سلکِ محمدؐ
وہ مالکِ مہر و علم و کلکِ محمدؐ

گر ہو ہوسِ وصلِ رسولؐ و اسداللہ حاکم کا عدو ہو کہ وہ حاکم ہو اگر آہ
مولا کا ہو مولیٰ کہ ہو کہ دل محرم و آگاہ دل رکھ سوئے درگاہِ حرم رُو سوئے اللہ
وہ حاکمِ مکّار گدا ملکِ حسد کا
سردار ہمارا کرم اللہ احد کا

وہ گرد وہ سرمہ وہ ملال اور وہ آرام وہ کور وہ آگاہ وہ وسواس وہ الہام
وہ دہرہ وہ مکّہ وہ حرام اور وہ احرام وہ وعدہ وہ حاصل وہ سوال اور وہ اکرام
وہ سہو وہ ادراک وہ مملوک وہ مالک
وہ وہم وہ علم اور وہ گمراہ وہ سالک

وہ سم وہ عسل اور وہ ہول اور وہ دلاسا وہ سحر وہ اسرارِ الٰہِ دوسرا کا
وہ مرگ وہ عمر اور وہ درد اور وہ مداوا وہ دار وہ سرو اور وہ کاہ اور وہ لالا
وہ ہالۂ حرص اور وہ مہِ کاملِ احمدؐ
وہ سُکرِ حرام اور وہ سرورِ دلِ احمدؐ

کہہ ۱۰ گمراہ کو معصوم کا کُل حال — رُودادِ امام اَور الم و دردِ دلِ آل
حاصل ہوا وہ دُکھ کہ معہ کودکِ کم سال — آمادۂ مرگ احمدِ مرسل کا ہوا لال
سدمہ ہوا دولہا کا سدھارا وہ عدم کو
اللہ کرم کر کہ ہو آرام حرم کو

محرومِ طعام آہ محمد کا وَلَد ہو — آوارۂ صحرا اسداللہ کا اسد ہو
محصورِ اَلم مالکِ سرکارِ اَحَد ہو — اور کودکِ معصوم کا گہوارہ لحد ہو
عالم کا رہا کام روا ماہِ محرم
سرور کو مہِ صوم ہوا ماہِ محرم

سرگرمِ مُدارا ہوا سرور کا علمدار — الا لئمہ مرُدود کا مرُدود وہ مکار
للکارا ہر اسوار کو لو آؤ کرو وار — سدِّ رہِ ساحل ہوا آ کر ہر اک اسوار
گمراہ کا ہر حاسدِ گمراہ مددگار
لعلِ اسداللہ کا اللہ مددگار

وہ معرکہ وہ وسوسہ وہ عسکرِ عامہ — وہ دمدمۂ ہر دُہُل و کوس و دمامہ
وہ گردِ دوا دو وہ کلاہ اور عمامہ — وہ گرمِ رواروِ شُم رہوارِ دوگامہ
وہ عہدِ مکمل صلۂ داد و کرم کا
وہ دورِ مسلسل دُہل و کوس و علم کا

گردِ عمرِ سعد اُدھر عسکرِ اعدا — کرّار کا دلدار اِدھر معرکہ آرا
اک دلولہ اک حوصلہ و ہمدمِ مولا — رہوارِ ہُما وار سوئے طارمِ اعلا
لاحول دلِ لا وردِ علمدارِ دلاور
ارواحِ رُسل گردِ علمدارِ دلاور

صمصام کو السلام ہوا سر کو علم کر — گہ سورۂ الحمد کو گہ صور کو دم کر
اک وار لگا اور دو اعدا کو کم کر — ہر دم عمرِ سعد کا دم محوِ عدم کر
دو حصّہ کمر کر کہ الگ کاسۂ سر کر
ہر طرح مہم سہل کر اور معرکہ سر کر

داؤد کا ہمدم دمِ صمصامِ دلاور — اس طرح ہوا گرم سرِ دردۂ عسکر
سر کوس، دلِ کوہ ہوا موم سراسر — معدوم ہر اک درع لہو کا ہوا گھل کر
ہر گرم روِ کور کا دل آگ سا سلگا
موسم سرِ صحرا ہوا گُل لالہ و گُل کا

طاؤسِ مرصّع و ہلالِ کمر آرا — اس طرح ہوا لامع و ساطع سرِ صحرا
ہر سال کو دو ماہ ہلا موسمِ گرما — عکس اس کا گرا اور ہوا دہر کو سودا
گردِ سرِ ہر مرد ادھر اک اور اُدھر اک
سر اک دو کلاہ اک و گلا اک وہ کمر اک

طاؤسِ مرصّع و ہلالِ کمر آرا — اس طرح ہوا لامع و ساطع سرِ صحرا
ہر سال کو دو ماہ ہلا موسمِ گرما — معلوم ہوا آگ کا اسرار و معمّا
دھوکا ہوا عالم کو کہ اسم اس کا رکھا آگ
عکسِ دمِ صمصام گرا اور ہوا آگ

اعدا کو ہلاہل کا ہوا سمِ دمِ صمصام — ہر گام گرا مادۂ سودا کا سرِ عام
معدوم دلِ اہلِ لحد کا ہوا آرام — اللہ سرِ سام کو اس دم ہوا سرسام
دو عسکرِ مردود کا ہر سو ہوا کالا
اور مردمِ مردم کا ہر آہو ہوا کالا

ں کا سہ صمصام کا عالم ہوا مدعو     اک کاسہ مکرِ اطعمہ ہر طرح کا سلو
دا کا دل و گردہ گلو صدر و سر و رو     اور امرِ گلو امرِ گلو عام ہر اک سو

آسودہ ہوا حوصلہ ہر مور و مگس کا
مملو ہوا معدہ طمع و حرص و ہوس کا

گاہ ارادہ ہوا اسوار کا گھر کو     رہوار اڑا اس کا دہل کر کہ کدھر کو
صام کا اک وار ملا کا بستہ سر کو     آدھا وہ اِدھر کو گرا آدھا وہ اُدھر کو

دل سہما لہو سہم کر اسوار کا سوکھا
لوہا رہا صمصامِ علمدار کا روکھا

صامِ علمدار کا احکام عمر کو     او کور! درِ گور کھلا، کھول کمر کو
دار کا اعلام اِدھر اور اُدھر کو     عادل کا ہوا دور ڈرو، دور ہو، سر کو

صمصام کا محصول سرِ معرکہ سر دو
سر دو دمِ صمصام کو اور اسلحہ دھر دو

دم دمِ صمصامِ دودم رعد سا کڑکا     اس طرح گرا سر کہ کھلا سلسلہ دھڑ کا
دل کو ہوا آمدِ صمصام کا دھڑکا     سر گم ہوا اور کام معطل ہوا دھڑ کا

اِدراک و حواس و دل و ارواح گم اس دم
موہوم ہر اک رد و سرود و طرم اس دم

وار لگا اور الگ سر ہوا تو کا     مالک ہوا مسرور ملا حال گرو کا
اہ کو وہ وار ہوا داسہ درد کا     اور ملکِ عدم کو ہوا ارواح کا ہو کا

گہ سہم عطارد کا ہوا مرگِ عدو کا
گہ بالۂ صمصام ہوا ہار گلو کا

کردارِ حسام و لہِ سرورِ کرار　　گہ لطمہ و گہ ورطہ و گہ ساحل و مدرار
اور رمح علمدار کا اعدا کو ہوا وار　　حصہ کمر و دل کا ہر اک سہم علمدار

وہ حملۂ رہوار وہ دو لاکھ کا عالم
صرصر کا ادھر طور اُدھر راکھ کا عالم

اعدا کو ہر اک صدمۂ کامل ہوا حاصل　　سردار کو درد و المِ دل ہوا حاصل
اس گوہرِ اسلام کو ساحل ہوا حاصل　　ساحل ملا اور سمِ ہلاہل ہوا حاصل

رو کر کہا دردا درِ سردار رہا دُور
ہم واردِ ساحل اور امام دوسرا دور

سردار اُدھر محوِ علمدارِ دلاور　　دل مردہ و مہموم و ملول اور مکدر
گہ مرگِ علمدار کا وسواس سراسر　　گہ ولولۂ وصلِ علمدار مکرر

گہ دردِ کمر گہ دلِ آگاہ کا صدمہ
گہ صدمۂ آلِ اسداللہ کا صدمہ

گہ رُو سوئے صحرا کہ کدھر گم ہوا وہ ماہ　　گہ مردمکِ اطہرِ معصوم سرِ راہ
ہر لمحہ سوا درد و ملالِ دلِ آگاہ　　گہ آہ گہ الحاح سوئے درگہِ اللہ

گہ وِرد کہ ہر صدمہ علمدار کا رد کر
مدد کر! اسداللہ مدد کر

سرگرمِ صدا گہ سوئے دلدار وہ سرور　　آؤ اِدھر آرامِ دلِ والد و مادر
ڈھارس دو وہ ہم کو کہ ہو آرام سراسر　　معلوم کرو حالِ علمدارِ دلاور

اس دم ہوا گم آہ علمدار ہمارا
دلدار ہمارا وہ مددگار ہمارا

لو حمد کرو حمد کرو سرورِ عالم　　مسرور ہو مسرور ہو مسرور ہوا اس دم
لو گھر کو ارادہ ہوا عمّو کا مصمّم　　مولا کہو لِلّٰہ ہوا صدمۂ دل کم[1]
سرور کہو آرام ہوا دردِ کمر کو
رہوار مُڑا عمِّ دلاور کا ادھر کو[2]

مولا کو ہوا وصلِ دلاور کا سہارا　　طائع کو ہوا آہ وصال اُس کا گوارا
للکارا گروہِ عمرِ سعد وہ سارا　　لو سرورِ عالم وہ علمدار کو مارا
محکوم کو ہمدم کو مددگار کو رو دو
لو آؤ وہ دم اُکھڑا علمدار کو رو دو

وہ وار لگا شانہ سر اُس کا ہوا دو　　مارا اسد اللہ کو لو ہم کو صلہ دو
ہو مرگ علمدار کو سہل، آؤ دعا دو　　مردہ حرمِ احمدِ مرسل کو دکھا دو
ہر طرح گوارا کرو اس درد و الم کو
لو سوگِ علمدار کا دو حکم حرم کو

سردار گرا اور کہا آہ علمدار　　محروم کو محروم رکھا واہ علمدار
اک لمحہ رہو اور سرِ راہ علمدار　　ہمراہ لو سردار کو لِلّٰہ علمدار
واللہ سدھارو مع سردار ارم کو
اس دم الم مرگ گوارا ہوا ہم کو

آرامِ لحد روح کو اِس دم ہوا درکار　　در گور ہوا مردۂ سالار و علمدار
گو مرگ مددگار ہو طالع ہو مددگار　　حاصل سیر ساحل ہو مرادِ دلِ سالار
آسودہ مدام احمدِ مرسل کا دُلدُل ہو
سردار و علمدار کو آرامِ لحد ہو

---

[1] متبادل مصرع: مولا کہو صدمہ دلِ اطہر کا ہوا کم [2] لو تو ہوا رہوارِ علمدار کا گھر کو

مُردہ ہوا الحال امامِ دوسرا آہ　　سرِ آلِ محمد کا سرِ عام کھلا آہ
دردِ اسد اللہ ہوا وا والدا آہ　　کاسہ سرِ کرّار کا دو حصے ہوا آہ
واللہ علمدارِ دلِ آگاہ کا صدمہ
ہم کو ہوا مرگِ اسد اللہ کا صدمہ

دلدار کو مُڑ کر کہا آگاہ ہو آگاہ　　درد اکہ عَلَمِ احمدِ مُرسل کا گرا آہ
دلدار رکھو سوگ علمدار کا للہ　　ساحل کا ارادہ کرو اور ہم کو لو ہمراہ
سردار کا سر کھول دو عمامہ گرا دو
اور مُردہ علمدارِ دلاور کا دکھا دو

ہمراہِ امامِ اُمم اُس دم ہوا دلدار　　اور رہروِ ساحل ہوا وہ کُل کا مددگار
ستّو درد اور اِک روحِ امامِ مَلک اطوار　　اور درد علمدار! علمدار! علمدار!
ہر گام صدا آہ مددگار کدھر ہو!
آگہہ کرو للہ علمدار کدھر ہو!

کس دم سرِ ساحل ہوا مولا کا ورود آہ　　دم ہمدمِ مرگ اور علمدار سرِ راہ
ہالہ ہوا اُس کا اسد اللہ کا وہ ماہ　　اور آہ لہو اُس کا سرِ دو ہلا واللہ
صدمہ ہوا اس طرح کا دل کو کہ ہلا دِل
اللہ کہا اور گرا سرورِ عادل

اُس ہمدمِ سردار کو اُس دم ہوا الہام　　وردِ کلمہ کر کے ہوا موردِ اکرام
وارد ہوا سردارِ اُمم مالکِ اسلام　　اُکھڑا ہوا دم رد کا کہ سرور کو ہو آرام
رو کر کہا سردار رکھو درد کمر کا
درد اکہ سرِ راہ عمامہ گرا سر کا

# قطعۂ تاریخ مرثیۂ ہذا

(در صنعتِ مہملہ)

بعلمِ کامل محرمِ اسرار کا لامع ہوا
ہم کو وہ مرہم سرِ اعدا و حاسد کو حسام

کرو گار اس کا حمد مولا اسد اللہ کا
اس کا دل آرا سلامِ مالکِ دار السلام

وردِ آلِ احمدِ مرسل کو لکھا عطل کر
ہر ملک کا وِرد وہ ہوگا ہوا سرورِ امام

مہر و اکرامِ رسول اس سالکِ گوہر کا صلہ
ہو عطا اس کو سرورِ دل کہ حاصل ہو مرام

حاصل کا ادراک اس دل کو ہوا مصرع کہا
مدحِ روحِ سالمِ سرورِ عطارد کا کلام

۱۲۵۹ھ

درِ مدحِ سرورِ عالم عطارد کا کلام ۱۲۵۹ھ

مدح ورِ سرورِ عالم عطارد کا کلام ۱۲۵۹ھ

# سلام

سلامی خاک ہُوا خاک سے غبار ہُوا
مزارِ سیّدِ ابرار پر نثار ہوا

ہجومِ غم میں سلامی جو اشکبار ہوا
ہر ایک تارِ مژہ موتیوں کا ہار ہوا

سلام اُس پہ رہِ حق میں جو نثار ہوا
جدا جو تن سے ہوا سر تو وصلِ یار ہوا

پدر کو خواب میں صغراؑ نے اس طرح دیکھا
کمر خمیدہ، بدن ہے نحیف و زار ہوا   ق

پکاری کب سے جھکی ہے کمر تو بولے شاہ
شہید جب سے کہ عباسؑ نامدار ہوا

حسینؑ جب ہوئے پیدا تو یہ ندا آئی
کہ تھا جو پردۂ قدرت میں آشکار ہوا

یہ بھوک پیاس تھی مرغوبِ سیّدالشہداؑ
کہ چھ مہینے کا سن تھا کہ روزہ دار ہوا

بلند کیوں نہ ہوا آفتابِ محشر آہ
علیؑ کے لال کا سر نیزے پر سوار ہوا

لٹکتی پائی جو مسلم کی لاش کوفے میں
تو سر حسینؑ کا نیزے پہ اشکبار ہوا   ق

پکارا لاشۂ مسلمؑ کہ یا اخی فریاد
نصیب ہم کو نہیں آج تک مزار ہوا

کھلے ہیں دیدۂ صغراؑ ہنوز بہرِ حسینؑ
مزار میں بھی نہ موقوف انتظار ہوا

سرِ حسینؑ نے کٹ کر کہا یہ قاتل سے
میں رستگار ہوا تو گنہگار ہوا

پڑی رسن جو گلے میں تو خوش ہوئے سجادؑ
کہ حق کے شیر کا میں آج ورثہ دار ہوا

ہوئی نہ شمع میسر جو شہ کی تربت کو
تو داغِ دل ہی چراغِ سرِ مزار ہوا

کٹے کے ہاتھ لبِ نہر کہتے تھے عباسؑ
الٰہی شکر میں دریائے غم سے پار ہوا

گلے میں شاہ کے بانہیں تھیں لاشِ صغرؑ کی
خزاں ہوا جو وہ گُل تو گلے کا ہار ہوا

گئی جو کوفے میں سر کھولے دخترِ زہراؑ
نجف میں مرقدِ حیدرؑ کو اضطرار ہوا

دبیر سبطِ رسولِؐ خدا کے صدقے سے
سلام تیرا یہ مقبولِ کردگار ہوا

# سلام

کینۂ دلِ مجرائیِ سرور میں نہیں ہے
یہ آئنہ اقلیمِ سکندر میں نہیں ہے

جو فکرِ سلامِ شہِ صفدر ہی نہیں ہے
اے مجرائی خلد اُس کے مقدر میں نہیں ہے

ہاتف نے کہا مشک جو بھرنے لگے عباسؑ
یہ پانی سکینہؑ کے مقدر میں نہیں ہے

سرور نے کہا قبر میں رکھ لاشۂ اصغرؑ
دلبر جو نہیں بر میں تو دل بر میں نہیں ہے

بانوؑ نے کہا دودھ تو دودھ آہ یہ دیکھو
پانی بھی نصیب علی اصغرؑ میں نہیں ہے

سیلی جو لگائی تو سکینہؑ یہ پکاری
اے شمر تو کیا دینِ پیمبرؐ میں نہیں ہے

شہ کہتے تھے ہم دینِ پیمبرؐ کے ہیں مشتاق
ہے دل میں وہ حسرت جو مقدر میں نہیں ہے

جب تیغ علَم کی تو یہ جبریل پکارے
شبیرؑ یہ اقرار تو محضر میں نہیں ہے

ق
یہ ہند کی بیٹی نے سکینہؑ سے کہا آہ
کیا تیری محبت دلِ مادر میں نہیں ہے

بالغرض کہ ماں باپ ہیں نادار تمہارے
اُجلا سا بھی کرتہ کوئی کیا گھر میں نہیں ہے

جیسا کہو میں خلعت و زیور تمہیں لا دوں
صرف مجھے نذرِ زر و گوہر میں نہیں ہے

دکھلا کے رسن شانے کی اپنے وہ پکاری
جو اس میں ہے زینت کسی زیور میں نہیں ہے

گر ہو سکے تم سے ہمیں بابا سے ملا دو
ہاتف نے ندا دی کہ مقدر میں نہیں ہے

مہماں ہے غمِ شاہ دبیرؔ اہلِ عزا میں
گو کرب و بلا ہند کے کشور میں نہیں ہے

# سلام

ساں کی چشم گر غم سرور سے تر نہ ہو
مجرائی قطرہ لاکھ برس تک گہر نہ ہو

قاتل سے شاہ کہتے تھے جلدی تو ذبح کر
ظالم مری بہن کو کہیں یہ خبر نہ ہو

طمہ کی بیٹی رو کے سکینہؑ سے کہتی تھی
بھینا تمہارے سن میں کوئی بے پدر نہ ہو

کبر سے شاہ کہتے تھے کیونکر نکالوں میں
نیزے کی نوک ہیں کہیں تیرا جگر نہ ہو

لکھا قضا نے شاہ کی قسمت میں آب تیغ
یعنی گلوئے خشک کسی طرح تر نہ ہو

کہتی تھی بانو تیر گلے سے میں کھینچ لوں
اصغر تمہاری روح کو صدمہ اگر نہ ہو

کوفے گئی، دمشق گئی، شام میں گئی
زینبؑ کی طرح سے تو کوئی در بدر نہ ہو

کہتے تھے شہ کفن نہ ملے ہم کو ہے قبول
یارب بہن حسینؑ کی پر ننگے سر نہ ہو

کا نشاں اٹھا کے، پاؤں میں عابدؑ نے رکھ لیا
تا اور راہ گیروں کو اس سے ضرر نہ ہو

تھی شہ کی یہ دعا نہ چلے تیغ حلق پر
جب تک مرا بتولؑ کی گودی میں سر نہ ہو

لیا ہوا ہے بیکس و مظلوم کون آہ!
یارو غم حسینؑ میں کیونکر اثر نہ ہو

کہتے تھے اپنے حال پریشاں پہ اہلبیت
پردیس میں حقیر کوئی اس قدر نہ ہو

کہتے تھے اہل ظلم کہ زہراؑ کے باغ کو
کاٹو یہ جلد جلد کہ جو دوپہر نہ ہو

کٹ کر گلوئے شاہ نے یہ شمر سے کہا
اب بھی پلا دے پانی گنہ کچھ اگر نہ ہو

بدؑ سے بانو کہتی تھی سر کو نہ پیٹ تو
اے لال رفتہ رفتہ کہیں درد سر نہ ہو

مثل خیال چل درِ سرور پہ اے دبیر
کر اس طرح سفر کہ کسی کو خبر نہ ہو

# سلام

تصنیف مرزا محمد جعفر اوجؔ جانشینِ مرزا دبیرؔ

جو کفن میں صرۂ خاکِ شفا لے جائیں گے
مجرئی وہ دردِ عصیاں کی دوا لے جائیں گے

گر نجف میں مجرئی جنتِ رسا لے جائیں گے
حیدرِ صفدر نجف سے کربلا لے جائیں گے

قبر میں جو اشتیاقِ کربلا لے جائیں گے
کربلا کو استخواں اُس کے ہما لے جائیں گے

جب حیدرؑ داغِ شاہِ کربلا لے جائیں گے
ہم یہ دُر ہدیہ پئے نذرِ خدا لے جائیں گے

قامتِ اکبرؑ ہے وقتِ نظم آنکھوں کے حضور
طبع کے سانچے میں یہ مضموں ڈھلا لے جائیں گے

سمدھنیں کہتی ہیں اس جنگل میں سبزہ ہی نہیں
کس طرح قاسمؑ کی مہندی میں حنا لے جائیں گے

قبرِ اصغرؑ پر کہا ماں نے نہ ڈریو میری جاں
خلد میں، واری تمہیں شیرِ خدا لے جائیں گے

دل کو پکڑے کہتی تھی زینبؑ دمِ دفنِ حسینؑ
کس طرح پیکاں کلیجے سے نکالے جائیں گے

ہاتھ جب قاسمؑ کے ڈوبے خوں میں، دل سے یہ کہا
ماں کے دکھلانے کو یہ رنگِ حنا لے جائیں گے

جب نہ کچھ سامان صغراؑ کا لدا، ماں سے کہا
کیا نہ ہم کو ساتھ شاہِ کربلا لے جائیں گے

کہتی تھی مسلمؑ کی بیوہ میرا وارث اُٹھ گیا
ننھے ننھے بچے کیونکر مجھ سے پالے جائیں گے

ق
کربلا میں بولے شہ زینبؑ سے وہ دن ہے قریب
سر شہیدوں کے سناں پر اشقیا لے جائیں گے

دھوپ میں لاشہ ہمارا یاں رہے گا بے کفن
شام میں عابدؑ کو اعدا ننگے پا لے جائیں گے

بولی زینبؑ اپنی چادر سے تمہیں دفنا دوں گی
شہ نے فرمایا تمہاری بھی ردا لے جائیں گے

لاشِ اصغرؑ پہ کہا بانو نے قسمت میں یہ تھا
کاٹ کر ننھا سا سر اہلِ جفا لے جائیں گے

کربلا جانا ہوا اے اوجؔ تو ہم یہ سلام
بہرِ نذرِ بادشاہِ کربلا لے جائیں گے